جامعہ مدنیہ لاہور کا ترجمان

علمی دینی اور اصلاحی مجلّہ

انوارِ مدینہ لاہور

بیاد

عالمِ ربّانی محدّثِ کبیر حضرۃ مولانا سیّد حامد میاں رحمہ اللہ

بانی جامعہ مدنیہ

نگران

مولانا سیّد رشید میاں مُدظلہ

مہتمم جامعہ مدنیہ، لاہور

مارچ

سنہ ۱۹۹۸ء

ذیقعدہ

سنہ ۱۴۱۸ھ

پانچ چیزیں

حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاصؓ نے فرمایا ہے کہ پانچ چیزیں ایسی ہیں کہ اگر وہ کسی کے اندر پائی جاتی ہیں تو وہ دُنیا اور آخرت میں نیک بخت ہو جاتا ہے۔

① پہلی یہ ہے کہ ہمیشہ کلمۂ طیبہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہُ مُحَمَّدٌ رسول اللہ کا وِرد کرتا رہے،

② دوسری یہ کہ جب کسی بلائے ناگہانی میں گرفتار ہو جائے تو صبر کر کے یہ دُعا پڑھ لیا کرے۔ "اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ وَلَاحَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ العلی العظیم"۔

③ تیسری یہ کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جب کوئی نعمت اسے دی جائے تو یہ کلمۂ شکر اپنی زبان سے ادا کرے۔ "الحمد للہِ ربِّ العالمین"۔

④ چوتھی چیز یہ ہے کہ جب کوئی کام شروع کرے تو اللہ کے نام سے شروع کرے اور یہ پڑھ لے "بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ"

⑤ پانچویں چیز یہ ہے کہ جب اس سے معاصی کا زیادہ تر ارتکاب ہونے لگے تو ہمیشہ اللہ تعالیٰ سے اپنے گناہوں کی مغفرت طلب کرے اور اخلاص کے ساتھ یہ دُعا پڑھا کرے۔ "اَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ الْعَظِیْمَ وَاَتُوْبُ اِلَیْہِ"۔

(المنبہات علی الاستعداد لیوم المعاد) مترجم، ص ۱۲۲۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ماہنامہ

انوار مدینہ

جلد : ٦ | ذیقعدہ ۱۴۱۸ھ ۔ مارچ ۱۹۹۸ء | شمارہ : ٦

مدیر

سیّد محمود میاں

مُدرّس و نائب مہتمم جامعہ مدنیہ لاہور

اس دائرہ میں سُرخ نشان اس بات کی علامت ہے کہ ماہ ستمبر 97 سے آپ کی مدّتِ خریداری ختم ہوگئی ہے، آئندہ رسالہ جاری رکھنے کے لیے مبلغ 130 ارسال فرمائیں۔

ترسیلِ زر و رابطہ کیلئے دفتر ماہنامہ "انوارِ مدینہ" جامعہ مدنیہ کریم پارک لاہور

کوڈ ۵۴۰۰۰ فون ۲۰۱۰۸۶-۷۷۲۴۲۷۳

فیکس نمبر ۷۷۲۶۷۰۲ - ۴۲ - ۹۲

بدلِ اشتراک

پاکستان فی پرچہ ۱۲ روپے ۔۔۔۔۔ سالانہ ۱۳۰ روپے

سعودی عرب، متحدہ عرب امارات دبئی 〃 ۵۰ ریال

بھارت، بنگلہ دیش ۔۔۔۔۔۔ 〃 ۱۰ امریکی ڈالر

امریکہ افریقہ ۔۔۔۔۔۔۔ 〃 ۱۶ ڈالر

برطانیہ ۔۔۔۔۔۔۔۔ 〃 ۲۰ ڈالر

سید رشید میاں طابع و ناشر نے شرکت پرنٹنگ پریس لاہور سے چھپوا کر دفتر ماہنامہ "انوارِ مدینہ" جامعہ مدنیہ کریم پارک لاہور سے شائع کیا۔

اِس شمارے میں

عنوان	مصنف	صفحہ
حرفِ آغاز		۳
درسِ حدیث	حضرت مولانا سیّد حامد میاںؒ	۷
لطائفِ حج	شیخ الاسلام مولانا سیّد حسین احمد مدنیؒ	۱۲
حضرت بلال حبشیؓ (نظم)	حافظ نورمحمدؒ انورؔ	۱۷
اسلام میں عفت و عصمت کی اہمیّت	حضرت مولانا عاشق الٰہی بلند شہری	۱۸
محمد بن جریر الطبری	پروفیسر خالد بزمی صاحب	۲۹
میری توبہ (نظم)	سیّد امین گیلانی صاحب	۴۱
اُصول بدعت	مولانا ڈاکٹر عبدالواحد صاحب	۴۳
حاصل مطالعہ	مولانا نعیم الدّین صاحب	۵۴
تقریظ و تنقید		۵۹
اخبار الجامعہ	محمد عابد	۶۴

رابطہ : دفترِ کراچی

حضرت مولانا قاری شریف احمد صاحب مدظلّہٗ، خطیب جامع مسجد سٹی اسٹیشن کراچی

انڈیا میں رابطے کے لیے

حضرت مولانا سیّد رشید الدّین صاحب حمیدی مدظلّہ العالی، مہتمم مدرسہ شاہی مراد آباد یو۔پی۔انڈیا

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حرفِ آغاز

سیّد محمود میاں

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم امابعد

جب سے شادی اور ولیموں کے موقع پر حکومت کی جانب سے کھانا دینے کی ممانعت کا قانون بنا ہے اور اس پر عمل درآمد شروع ہوا ہے تب سے ہر سطح پر عوام کی بھاری تعداد نے سکھ کا سانس لیا اور حکومت کے اس اقدام کو سراہا، اس قانون کی بدولت جہاں اخراجات کے بوجھ میں نمایاں کمی ہوئی ہے وہاں شادیوں اور ولیموں کے موقع پر شرکاء کی تعداد میں بھی نمایاں کمی واقع ہوئی ہے جس کی وجہ سے بہت سی خرافات سے خود بخود چھٹکارا مل گیا ہے۔ مثال کے طور پر بعض شادیوں اور ولیموں میں پہلے بہت بڑی تعداد میں اجنبی مرد اور عورتوں کا آزادانہ اختلاط ہوتا تھا جو کہ بہت بڑا گناہ ہے۔ نیز باپردہ خواتین اگر کبھی غلطی سے ایسی تقریب میں شریک ہوجاتی تھیں تو اُن کو بہت اذیّت برداشت کرنی پڑتی تھی اور اس پر اُلٹا ان کا مذاق ہی اُڑایا جاتا تھا۔ غرض بہت سی خرابیاں تھیں جو پوری طرح ختم تو نہ ہو سکیں، مگر ان میں کمی ضرور واقع ہوئی ہے۔ مزید بہتری کے لیے حکومت کا فرض ہے کہ وہ معاشرہ کو حرام کاموں تیل مہندی کی ہندوانی رسموں، بینڈ باجوں، غیر ضروری روشنیوں اور چراغاں جیسی خرافات سے پاک کرے۔ ہمارا حکومت سے مطالبہ ہے کہ مزید قانون سازی کے ذریعے تمام فضول خرچی کے کاموں پہ پابندی لگائے تاکہ شادی بیاہ کی تقریبات جو کہ ہر خاندان میں ہوتی ہیں بسہولت ہوجایا کریں۔

حضرتِ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ نبی علیہ السّلام نے فرمایا ہے۔ اعظم النکاح برکۃ

ایسرہ مؤنۃً مشکوٰۃ ص۲۶۸ یعنی برکت میں سب سے بڑھ کر وہ نکاح ہے جس میں مشقت سب سے کم ہو معلوم ہُوا کہ جس نکاح میں سہولت کے بجائے فضول خرچی اور رسم ورواج کی جکڑ بندیاں جس قدر زیادہ ہوں گی۔ اسی قدر اس میں برکت سے دوری ہوتی چلی جائے گی۔ یہاں تک کہ برکت کی بجائے نحوست اور بے برکتی ہوجائے گی اور بعض اوقات اس کی سزا فوری طور پر ظہور میں آجاتی ہے جس کا خمیازہ سارا خاندان بھگتتا ہے۔

ولیمہ کے بارے میں بعض لوگ کہتے ہیں کہ اس میں کھانے پر پابندی نہیں ہونی چاہیے اس لیے کہ اس موقع پر کھانا کھلانا سُنّت ہے۔ اس طرح کا مطالبہ دو قسم کے لوگ کرتے ہیں۔ایک وہ حضرات ہیں جن کا دین و مذہب سے برائے نام تعلّق ہوتا ہے اور سُنّت کے نام پر مطالبہ کی آڑ میں کسی نہ کسی طرح اپنی خرافات پر مبنی خواہشات کو پُورا کرنا چاہتے ہیں۔ یہ طبقہ عام طور پر راتوں رات مالدار بن جانے والا نو دولتیوں کا بدمست طبقہ ہے جو اپنی حرام کی کمائی کو دِکھلاوے اور مقابلہ بازی پر بڑے فخر سے اُڑاتا ہے۔اسے غریب کی مجبوریوں اور اُن کے مسائل سے کچھ سروکار نہیں بلکہ اُن کے جذبات کا خُون کر کے یہ طبقہ بہت خوش ہوتا ہے۔اس بدمست طبقہ پر کسی بات کا کچھ بھی اثر نہیں ہوتا۔ بس اتمامِ حجّت کے لیے اُن کو اتنا کہا جاسکتا ہے کہ خُدا سے ڈرو۔اس کی لاٹھی بے آواز ہے۔ دُنیا میں ڈھٹائی سے کام چلا بھی لیا تو آخرت میں خدا رسول کو کیا مُنہ دکھاؤ گے۔

دوسرے یہ مطالبہ کرنے والے وہ لوگ ہیں جو واقعی مذہبی ذہن رکھتے ہیں ان کے جذبات نیک ہیں، اُن کی نیت اتباعِ سُنّت کی ہوتی ہے مگر کم علمی کی وجہ سے وہ یہ بات کہتے ہیں ایسے حضرات کی خدمت میں عرض ہے کہ ولیمہ کا کھانا اگرچہ سُنّت ہے اور اس پر عمل کرنا اچھی بات ہے مگر آج کل دعوتِ ولیمہ میں جو اسراف، دکھلاوا، تفاخر اور مقابلہ بازی کا عام رجحان پایا جاتا ہے اس کی وجہ سے یہ دعوت کی تقریب سُنّت وشریعت کے دائرہ سے باہر ہوجاتی ہے۔ ایسی دعوت کو رَدّ کر دینا شرعًا اور اخلاقًا ضروری ہوتا ہے اور شرکت کرنا گناہ اور قابلِ ملامت ہے۔

حضرت مفتی کفایت اللہ صاحبؒ تحریر فرماتے ہیں۔

"اور جو لوگ ایک دوسرے پر فوقیت لے جانے کے لیے دعوت دیں ان کی

دعوت قبول کرنے سے (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم) نے منع فرمایا ہے۔ المتباران لا یجابان ولا یؤکل طعامھما۔ یعنی تفاخر اور مقابلہ کی دعوت کرنے والوں کی دعوتوں کی اجابت نہ کی جائے (یعنی قبول نہ کیا جائے) نہ اُن کے یہاں کھانا کھایا جائے اسی طرح ایک حدیث میں فاسقوں کی دعوت قبول کرنے سے بھی ممانعت مذکور ہے۔ نہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن اجابۃ طعام الفاسقین۔ یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فاسقوں کی دعوت قبول کرنے سے منع فرمایا ہے (چاہے یہ دعوت ولیمہ ہی ہو)"

مزید تحریر فرماتے ہیں

"خلاصہ یہ کہ ہر دعوت کی اجابت ضروری نہیں ہے بلکہ اسی دعوت کی اجابت سُنّت ہے جو دائرہ شریعت کے اندر ہو اور ترکِ اجابت اسی حالت میں مذموم ہے کہ براہِ استعلاء وتکبّر ہو اگر کسی صحیح و معقول وجہ سے اجابت ترک کی جائے تو مضائقہ نہیں بلکہ بعض صورتوں میں ترکِ اجابت ہی لازم ہے" (یعنی دعوت میں نہ جانا ہی ضروری ہے)

اس سوال کے جواب میں کہ "جو کام شرعاً جائز ہو اور وہ رسم کی صورت اختیار کرے تو اس کا کیا حکم ہے۔

حضرت مفتی ہندؒ تحریر فرماتے ہیں۔

"جو کام مباح یا مستحب ہو اور وہ ایک واجب یا فرض کی طرح لازم کرلیا جائے اور اس کے ساتھ بہت سے منکرات منضم ہو جائیں تو اس کو ترک کر دینا لازم ہے۔ شادی بیاہ کی بہت سی رسوم کی یہی حالت ہے"۔

(کفایت المفتی ج ۵ ص ۱۵۸)

دوسری بات یہ ہے کہ ولیمہ کے موقع پر کھانا ہی کھلانا ضروری نہیں ہے اگر کھانے کے علاوہ چائے کیک پیٹس، بسکٹ اور سوپ وغیرہ سے تواضع کردی جائے تو بھی ولیمہ کی سُنّت ادا ہو جاتی ہے۔ حدیث شریف میں حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔

ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم اولم علی صفیۃ بسویق وتمر

(مشکوٰۃ ج ۲ ص ۲۷۸)

یعنی نبی علیہ السّلام نے حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا سے شادی کے موقع پر صرف ستو اور چھوہاروں سے ولیمہ کیا تھا

حضرت انس رضی اللہ عنہ ہی سے ایک دوسری روایت میں آتا ہے کہ نبی علیہ السّلام نے خیبر اور مدینہ منوّرہ کے درمیان تین روز قیام فرمایا (اسی سفر میں نکاح کے بعد) حضرت صفیہ کے ساتھ شبِ عروسی ہوئی اور نبی علیہ السّلام کے ولیمہ کے لیے آپ کی طرف سے میں نے مسلمانوں کو دعوت دی اور ولیمہ میں نہ تو روٹی تھی نہ گوشت تھا بس اتنا تھا کہ آپ نے دستر خوان بچھانے کا حکم فرمایا تو وہ بچھا دیا گیا اور اس پر کھجور پنیر اور مکھن رکھ دیا گیا (جس سے ایک قسم کا حلوہ تیّار ہوگیا وہی سب نے کھایا)

بخاری شریف بحوالہ مشکوٰۃ ج ۲ ص ۲۰۸

بخاری اور مسلم کی حدیث میں آتا ہے۔ اولم علیہا بحیسٍ بحوالہ مشکوٰۃ ج ۲ صہ ۲۷۸ یعنی اُن کا ولیمہ کیا حلوہ سے۔

ان احادیث مُبارکہ کی روشنی میں یہ بات بالکل واضح ہوجاتی ہے کہ ولیمہ مسنونہ کے لیے مہمانوں کو نان، قورمہ، پلاؤ، زردہ وغیرہ پیش کرنا ضروری نہیں۔ اگر ہلکا پھلکا ناشتہ بھی کرادیا جائے تو ولیمہ کی سنّت پر عمل ہوجاتا ہے اور اس کی نیت کرنے والے کو اجر و ثواب بھی مل جاتا ہے۔ لہٰذا موجودہ حالات میں ضروری ہے کہ شادی بیاہ کی تقریبات کے لیے حکومت نے جو قانون بنایا ہے اس پر خود بھی عمل کیا جائے، اور دوسروں کو بھی اس پر عمل کی تاکید کی جائے۔ بصورتِ دیگر اس کی خلاف ورزی قابلِ سزا جرم ہونے کے ساتھ ساتھ گناہ کا سبب بھی بنے گی۔

اللہ تعالیٰ ہمارے اعمال میں اعتدال اور نیک اعمال کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

مولای صلِ وسلم دائماً ابداً علیٰ حبیبک خیر الخلق کلهم

درسِ حدیث

استاذ العلماء شیخ الحدیث حضرت مولانا سید حامد میاں رحمہ اللہ کے زیرِ اہتمام ہر اتوار کو نمازِ مغرب کے بعد جامعہ مدنیہ میں "مجلسِ ذکر" منعقد ہوتی تھی. ذکر سے فارغ ہو کر حضرت رحمہ اللہ حدیث شریف کا درس بھی دیا کرتے تھے۔ ذکر و بیان کی یہ مبارک اور رُوح پرور محفل کس قدر جاذب و پُرکشش ہوتی تھی الفاظ اس کی تعبیر سے قاصر ہیں۔

محترم الحاج محمود احمد عارف رح کی خواہش و فرمائش پر عزیز بھائی شاہد صاحب سلمہٗ نے حضرت شیخ الحدیث قدس سرہٗ کے بہت سے دروس ٹیپ ریکارڈر کے ذریعہ محفوظ کر لیے تھے اور پھر دروس والی تمام کیسٹیں اُنھوں نے مولانا سید محمود میاں صاحب کو عطا کر دیں۔

ہماری دُعا ہے کہ جن کی مہربانی، توجہ اور سعی سے یہ انمول علمی جواہر ریزے ہمارے ہاتھ لگے، حق تعالیٰ اُن سب کو بیش از بیش اَجر سے نوازے۔ ہم انشاء اللہ تعالیٰ یہ قیمتی لؤلؤ لالہ "انوارِ مدینہ" کے ذریعہ حضرت رحمہ اللہ کے مریدین و احباب تک قسط وار پہنچاتے رہیں گے۔

واضح رہے کہ حضرت کے خلفِ اکبر اور جانشین حضرت مولانا سید رشید میاں صاحب کے زیرِ اہتمام ذکر و درس کا یہ سلسلہ بفضلہ تعالیٰ اَب بھی جاری ہے۔

ہنوز آں ابرِ رحمت درفشان است   خم و خمخانہ با مہر و نشان است

کیسٹ نمبر ۲۱ سائیڈ بی ۱۹۸۳ء ۶-۳

الحمد للہ رب العلمین والصلوٰۃ والسلام علیٰ خیر خلقہ سیدنا ومولانا محمد وآلہ واصحابہ اجمعین

اما بعد! عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يَوْمَ خَيْبَرَ لَاُعْطِيَنَّ هٰذِهِ الرَّايَةَ غَدًا رَجُلًا يَفْتَحُ اللّٰهُ عَلٰى يَدَيْهِ يُحِبُّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيُحِبُّهُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ فَلَمَّا اَصْبَحَ النَّاسُ غَدَوْا عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ كُلُّهُمْ يَرْجُوْنَ اَنْ يُّعْطَاهَا فَقَالَ اَيْنَ عَلِيُّ بْنُ اَبِيْ طَالِبٍ فَقَالُوْا هُوَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ يَشْتَكِيْ عَيْنَيْهِ قَالَ فَاَرْسِلُوْا اِلَيْهِ فَاُتِيَ بِهٖ فَبَصَقَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ عَيْنَيْهِ فَبَرَأَ حَتّٰى كَاَنْ لَّمْ يَكُنْ بِهٖ وَجَعٌ فَاَعْطَاهُ الرَّايَةَ فَقَالَ عَلِيٌّ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اُقَاتِلُهُمْ حَتّٰى يَكُوْنُوْا مِثْلَنَا قَالَ اُنْفُذْ عَلٰى رِسْلِكَ حَتّٰى تَنْزِلَ بِسَاحَتِهِمْ ثُمَّ ادْعُهُمْ اِلَى الْاِسْلَامِ وَاَخْبِرْهُمْ بِمَا يَجِبُ عَلَيْهِمْ مِنْ حَقِّ اللّٰهِ فِيْهِ فَوَاللّٰهِ لَاَنْ يَّهْدِيَ اللّٰهُ بِكَ رَجُلًا وَاحِدًا خَيْرٌ لَّكَ مِنْ اَنْ يَّكُوْنَ لَكَ حُمْرُ النَّعَمِ[۱]

---

[۱] مشکوٰۃ شریف ص ۵۶۳

"حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے غزوۂ خیبر کے دن فرمایا تھا کہ کل میں یہ جھنڈا (جو کہ کمانڈری کی علامت ہے) ایک ایسے شخص کو دوں گا جس کے ہاتھ پر اللہ تعالیٰ فتح عطا فرمائے گا اور وہ شخص اللہ اور اس کے رسول کو دوست رکھتا ہے اور اللہ اور اللہ کے رسول اُس کو دوست رکھتے ہیں جب صبح ہُوئی تو ہر صحابی اس آرزو کے ساتھ کہ یہ سرفرازی اُسے ملے حضور علیہ السّلام کی خدمت میں حاضر ہُوئے آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم نے (تمام صحابہ پر نظر ڈال کر) فرمایا کہ علی بن ابی طالب کہاں ہیں؟ صحابہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم آنکھوں کی تکلیف نے ان کو پریشان کر رکھا ہے (اور اس عذر کی وجہ سے وہ یہاں موجود نہیں ہیں) آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ کسی کو بھیج کر اُن کو بلوالو، چنانچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بُلا کر لایا گیا۔ حضور علیہ السّلام نے اپنا لعاب دہن اُن کی آنکھوں میں ڈالا تو آنکھیں ایک دم اس طرح اچھّی ہوگئیں جیسے ان میں کوئی تکلیف تھی ہی نہیں۔ اس کے بعد آپ نے جھنڈا حضرت علیؓ کو عطا فرمایا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ (اس سرفرازی سے بہت خوش ہُوئے اور) عرض کرنے لگے کہ یا رسول اللہ! مَیں ان لوگوں سے اس وقت تک لڑتا رہوں گا جب تک کہ وہ ہماری طرح (مسلمان) نہ ہوجائیں اس پر حضور علیہ السّلام نے فرمایا کہ جاؤ اور نرمی اور بردباری کے ساتھ چل کر ان کے علاقہ میں پہنچو پھر (سب سے پہلے) ان کو اسلام کی دعوت دو اور ان کو اللہ کے وہ حقوق بتاؤ جو اسلام میں ان پر عائد ہوتے ہیں (اور اگر وہ اسلام کی دعوت کو ٹھکرا دیں تو پھر ان سے جزیہ طلب کرو، اگر وہ جزیہ پر صلح کرنے سے بھی انکار کردیں تو پھر آخر میں اُن کے خلاف اعلانِ جنگ کرو اور ان سے اس وقت تک لڑتے رہو جب تک کہ وہ مسلمان نہ ہوجائیں یا جزیہ دے کر اسلامی نظام کی سیاسی اطاعت قبول کرنے پر تیّار نہ ہوجائیں) پس (اے علی) خُدا کی قسم یہ بات کہ اللہ تعالیٰ تمہارے ذریعے کسی ایک شخص کو بھی ہدایت دے دے تمہیں ملنے والے سُرخ چوپائیوں سے کہیں بہتر ہے۔"

حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ جناب رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے

خیبر کے دن ارشاد فرمایا" لَاُعْطِیَنَّ ھٰذِہِ الرَّایَۃَ غَدًا رَجُلًا یَفْتَحُ اللّٰہُ عَلٰی یَدَیْہِ کل میں یہ جھنڈا ایک ایسے شخص کو دوں گا کہ اللہ تعالیٰ اُس کے ہاتھ پر فتح دے دیں گے۔ یُحِبُّ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ وَ یُحِبُّہُ اللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ وہ اللہ سے محبّت کرتے ہوں گے اور اس کے رسول سے اور اللہ اور رسول کے وہ محبوب ہوں گے، ایسے آدمی کو کل میں جھنڈا دوں گا، پھر فتح ہو جائے گا خیبر کا علاقہ، خیبر کا علاقہ ایسے ہے جیسے لمبا علاقہ ہے خاصا طویل جیسے کمشنری ہو اور اُس کا کچھ حصّہ مدینہ منوّرہ کے قریب سے شروع ہو جاتا ہے اُس زمانے میں جو حد بندی تھی اُس سے یہ اندازہ ہوتا تھا کہ مدینہ منوّرہ سے بہت قریب سے یہ علاقہ شروع ہو جاتا تھا۔

اب یہ تقریباً نوّے میل ہوگا۔ نوّے یا سو میل بس اِس کے درمیان ہے جو وہاں کا مشہور قلعہ ہے جس کا یہ واقعہ ہے۔

خیبر کے علاقہ میں بہت قلعے تھے چھوٹے چھوٹے، لیکن ایک اُن کا قلعہ بڑا تھا جو اُن کے نواب کا تھا۔ سردار کا تھا اُسے فتح کرنے میں دُشواری پیدا ہوئی، اور وہ بنایا بھی بڑی عقلمندی سے ہے اُنھوں نے ایک پہاڑی چُنی ہے اُس پہاڑی پر اُنھوں نے بنایا ہے۔ اُس پہاڑی کے لیے راستے بھی ہر طرف سے نہیں ہیں ایک ہی طرف سے راستہ ہے اور باقی طرف ڈھال ہے بہت نشیبی جس پر چڑھا نہیں جا سکتا تو اُنھوں نے وہ قلعہ بڑا محفوظ کر کے اور بڑی تیاریوں سے بنا رکھا تھا ہر چیز اندر موجود تھی، کنواں بھی وہاں تھا پانی بھی تھا راشن تھا۔

دوسری کسی طرف سے یا پُشت پر سے حملہ کر دیں وہاں ایسا موقع نہیں تھا۔ اُس کی بناوٹ ہی اس طرح تھی اور پہاڑی ایسی چُنی گئی تھی جو جنگی نقطۂ نظر سے بہترین تھی اُس کو فتح کرنے میں دُشواری پیدا ہُوئی، روایتوں میں یہ بھی ملتا ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ایک دن تشریف لے گئے، ایک دن حضرت عمر رضی اللہ عنہ تشریف لے گئے، لیکن وہ علاقہ سر نہ ہو سکا وہ قلعہ فتح نہ ہو سکا، تو پھر آپ نے یہ فرمایا تھا کہ کل میں ایسے آدمی کو دوں گا کہ جو اللہ اور رسول صلّی اللہ علیہ وسلّم سے محبّت رکھتا ہے اور اللہ اور رسول صلّی اللہ علیہ وسلّم اُسے محبوب رکھتے ہیں اور فتح بھی ہو جائے گا اُس کے ہاتھ سے، تو کل سرداری کا جھنڈا اسے دوں گا۔ حدیث میں آتا ہے کہ رات کو لوگ سوچتے رہے گفتگو کرتے رہے۔ کُلُّھُمْ یَرْجُوْنَ اَنْ یُّعْطَاھَا ایسی بھی حالت تھی کہ ہر آدمی کو جو بلند پایہ حضرات

تھے۔ اُنھیں یہ اُمید ہوتی رہی کہ شاید مجھے دے دیا جائے اور معلوم نہیں کہ ایسے صحابہ کرام کتنے تھے کہ جنھیں یہ خیال تھا اور یہ اُمید تھی، جب صبح ہوئی تو رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کی خدمت میں حاضر ہوئے سب کے سب کُلُّھُمْ یرجُوْنَ اَنْ یُّعْطَاھَا ہر ایک کو بس یہ خیال تھا کہ پتہ نہیں کسے پسند فرماتے ہیں اور کسے وہ دے دیں، فقال اَیْنَ عَلِیُّ بْنُ اَبِیْ طَالِبٍ جناب رسول اللہ صلّی اللہ علیہ نے دریافت فرمایا کہ علی بن ابی طالب کہاں ہیں؟ فَقَالُوا ھُوَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ یَشْتَکِیْ عَیْنَیْہِ لوگوں نے عرض کی کہ اُن کی تو آنکھوں میں تکلیف ہے اس لیے وہ نہیں ہیں یہاں، قَالَ فَاَرْسَلُوْا اِلَیْہِ فَاُتِیَ بِہٖ آپ نے فرمایا بلائیں اُنھیں، بُلایا گیا۔ فَبَصَقَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فِیْ عَیْنَیْہِ جناب رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے اُن کی دونوں آنکھوں میں تھتکارا اس طرح سے کہ لعاب دہن بھی چلا جائے آنکھ کے اندر فَبَرَأَ وہ ٹھیک ہو گئے اور ایسی ہو گئی آنکھ حتّٰی کَاَنْ لَّمْ یَکُنْ بِہٖ وَجَعٌ جیسے کہ آنکھ میں تکلیف تھی ہی نہیں بالکل۔

حدیث شریف میں آتا ہے ایک جگہ کہ آپ نے فرمایا اَذْھِبْہُ حَرَّہٗ وَقَرَّہٗ (اے اللہ تو) اِن کی سردی گرمی مٹا دے تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کو کبھی پھر اس کے بعد نہ سردی سے تکلیف ہوئی نہ گرمی سے تکلیف ہوئی وہ گرمی میں موٹا کپڑا پہن سکتے تھے اور تکلیف نہیں ہوتی تھی اور سردی میں نہ پہنیں تو تکلیف نہیں ہوتی تھی۔ یہ الگ روایات ہیں یہاں یہ ہے کہ آپ نے جب وہ ٹھیک ہو گئے۔ فَاَعْطَاہُ الرَّایَۃَ اُنھیں جھنڈا دیا وَقَالَ عَلِیٌّ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ اُقَاتِلُھُمْ یَکُوْنُوْا مِثْلَنَا میں اِن سے لڑوں گا حتّٰی کہ یہ ہم جیسے ہو جائیں یعنی مُسلمان ہو جائیں، ورنہ میں ماروں گا ہی کروں میں؟ اپنا ارادہ ہدایات لینے کے لیے پیش کیا ارشاد فرمایا اُنْفُذْ عَلٰی رِسْلِکَ آرام آرام سے جاؤ حتّٰی تَنْزِلَ بِسَاحَتِھِمْ حتّٰی کہ اُن کے آگے کا جو میدان ہے وہاں پڑاؤ ڈالو ثُمَّ اُدْعُھُمْ اِلَی الْاِسْلَامِ اُس کے بعد پھر اُنھیں بُلاؤ اُن سے گفتگو کرو۔ اسلام کی دعوت دو، وَاَخْبِرْ ھُمْ بِمَا یَجِبُ عَلَیْھِمْ مِنْ حَقِّ اللّٰہِ فیہ اور اُنھیں یہ بتلا دو کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے کیا کیا چیزیں اسلام میں اسلام قبول کرنے کے بعد ان کے اُوپر واجب ہو جائیں گی۔ اسلام قبول کیے بغیر تو آدمی نہ نماز کا پابند ہوتا ہے نہ روزہ کا پابند ہوتا ہے نہ زکوٰۃ کا پابند ہوتا ہے، وہ تو آزاد ہے اُسے ایک ٹیکس دینا پڑتا تھا ضرور جسے جزیہ کہا جاتا تھا وہ ٹیکس تھا ایک طرح کا باقی تمام چیزوں سے

وہ آزاد لیکن اسلام قبول کرنے کے بعد پھر تو نماز بھی پڑھنی ہوگی۔ روزہ بھی رکھنا ہوگا۔ زکوٰۃ بھی دینی ہوگی اور حج بھی کرنا ہوگا اور بہت حقوق بتا دیے قرابت داروں کے یہ حق ہیں۔ والدین کا یہ حق ہے اور کس کس کے حقوق ہیں بہت بڑی تفصیل ہے۔ بڑے احکام ہیں تو انہیں بتا دیں کہ اسلام لانے کے بعد اسلام میں اللہ کے احکام ماننے پڑیں گے اور اب تک کے موٹے موٹے احکام — بتا دیے۔ فَوَ اللّٰہِ لَاَنْ یَّھْدِیَ اللّٰہُ بِکَ رَجُلًا وَّاحِدًا اگر تمہارے ذریعے ایک آدمی کو بھی ہدایت ہو جائے اسے بھی تھوڑا نہیں سمجھنا چاہیے وہ بھی بڑی چیز ہے اگر تمہاری اس دعوت سے کوئی مسلمان ہو جاتا ہے تو خَیْرٌ لَّکَ مِنْ اَنْ یَّکُوْنَ لَکَ حُمْرُ النَّعَمِ تمہارے لیے سُرخ اُونٹوں سے بہت بہتر ہے یہ کہ اللہ تعالیٰ تمہارے ذریعے کسی کو ہدایت دے دیں یہ سُرخ اُونٹ عربوں کا ایک محاورہ ہے، خاص چیز تھی یہ یا تو متموّل لوگ ہی خرید سکتے تھے اُسے بہرحال وہ بڑا محبوب تھا تو اس کی مثال دی جاتی تھی کہ بہ نسبت اِس کے کہ تمہیں یہ چیز ملے یہ چیز ملے، یہ حاصل ہو جائے تو یہ بہت بہتر ہے حضرت علیؓ سے آپ نے یہاں جو کام لیا اور جو ارشاد فرمایا اُس میں پھر کامیابی ہُوئی وہ علاقہ واقعی فتح ہوگیا اُس دن اور وہ آج تک موجود ہے اور اُسی طرح موجود ہے یہ خدا کی قدرت ہے وہ بنا ہوا ہے پتھر سے گارے سے، لیکن موجود آج تک ہے — اب تو چودہ سو سال ہونے کو آگئے۔ ۷ھ کا یہ قصّہ ہے ۷ھ سے لے لیا جائے تو ۱۴۰۷ھ میں پورے چودہ سو سال ہو جاتے ہیں لیکن وہ موجود ہے چھتیں اُس کی کہیں کہیں سے خستہ ہو چکی ہیں۔ اَب خُدا جانے اُسے آثارِ قدیمہ والے ٹھیک رکھتے ہیں یا نہیں رکھتے وہاں کوئی نشانی ایسی ملی بھی نہیں جو آثارِ قدیمہ والوں کی نگرانی کا پتہ دیتی ہو۔ بہرحال وہ ہے موجود ممکن ہے خُدا نے اِسی طرح سے رکھ دیا ہو محفوظ کر کے کہ وہ مثال بنی رہے۔

اللہ تعالیٰ کے مقربین تھے یہ سب خُلفاء راشدین اللہ کے بڑے محبوب بڑے مقرب اور اسلام میں اِسی طرح درجہ بندی ان حضرات کی ہے کہ اوّل نمبر پہ ابوبکر صدّیق رضی اللہ عنہ پھر عمر فاروق رضی اللہ عنہ پھر عثمان غنی رضی اللہ عنہ پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اُن حضرات کا ساتھ نصیب فرمائے۔ (آمین)

شیخ الاسلام حضرت مولانا سیّد حُسین احمد مدنیؒ کے ایک مکتوب گرامی سے اقتباس

لطائف حج

(مرسلہ : محترم جناب الحاج عبدالکریم صابر، ڈیرہ اسمٰعیل خان)

○

عاشق پر اولین فریضہ یہی ہے کہ اغیار سے قطع تعلق کیا جائے جو کہ روزہ میں ملحوظ رکھا گیا ہے۔ دن کو اگر صیام کا حکم ہے تو رات کو قیام اور آخر میں اعتکاف نے آکر رہے سہے تعلقات کا بھی خاتمہ کر دیا۔ بحکم مَنْ شَہِدَ مِنْکُمُ الشَّہْرَ فَلْیَصُمْہُ اور مَنْ قَامَ رَمَضَانَ اِیْمَانًا (الحدیث) اگر استیعاب صوم رمضان کا پتہ چلتا ہے تو بحکم مَنْ اَحیَا لَیْلَۃً وَمَنْ صَامَ رَمَضَانَ (الحدیث) وغیرہ استیعاب قیام رمضان کا بھی پتہ چلنا ضروری ہے اور چونکہ کمال صومی کے لیے محض مالوفاتِ ثلاثہ کا (جو کہ اصل الاصول ہیں) ترک مطلوب نہیں بلکہ ان کے علاوہ معاصی اور مشتہیات نفسانیہ کا ترک بھی مقصود ہے۔ مَنْ لَمْ یَدَعْ قَوْلَ الزُّوْرِ (الحدیث) اور "رُبَّ صَائِمٍ لَیْسَ لَہٗ مِنْ صَوْمِہٖ اِلَّا الْجُوْعُ (الحدیث) اس کے شاہد عدل ہیں۔

جب ترکِ اغیار کا اثبات (جو کہ منزل عشق کی پہلی گھاٹی ہے) ہوگیا۔ اس کے بعد ضروری ہے کہ دوسری منزل کی طرف قدم بڑھایا جائے تاکہ کوچہ محبوب اور اس کے دار و دیار کی جبہہ سائی کا فخر حاصل کیا جائے۔ اس لیے ایّام صیام کے ختم ہونے پر ایّام حج کی ابتداء ہوتی ہے جن کا اختتام ایّام نحر (قربانی) پر ہے۔ کوچہ محبوب کی طرف اس عاشق کا سفر کرنا جس نے تمام اغیار کو ترک کر دیا ہو اور سچے عشق کا مدعی ہو۔ معمولی طریقہ سے نہ ہوگا، نہ اس کو سر کی خبر ہوگی نہ پیر کی۔ نہ بدن کے زیب و زینت کا خیال ہوگا اور نہ لوگوں سے جھگڑنے لڑنے کا ذکر فَلَا رَفَثَ وَلَا فُسُوْقَ وَلَا جِدَالَ فِی الْحَجِّ۔

کہاں عشق اور کہاں آپس کے جھگڑے اور لڑائیاں، کہاں قلبی اضطراب اور کہاں شہوت پرستی و

آرام طلبی، نہ سرمہ کی فکر ہوگی نہ خوشبو وار تیل کا دھیان۔ اس کو آبادی سے نفرت جنگل اور جنگلی جانوروں سے اُلفت ہونی ضروری ہے۔ وَحُرِّمَ عَلَيْكُمْ صَيْدُ الْبَرِّ مَا دُمْتُمْ حُرُمًا۔ سیر و شکار جو کہ کارِ بیکاراں ہے ایسے عشاق اور مضطر نفوس کے لیے بے حد نفرت کی چیز ہوگی۔ وَإِذَا حَلَلْتُمْ فَاصْطَادُوا۔

اس کی تو دن رات کی سرگرمی معشوق کی یاد، اس کے نام جینا اپنے تن و بدن کو بھلا دینا — دوست احباب، عزیز و اقارب، راحت و آرام کو ترک کر دینا۔ نہ خواب آنکھوں میں بھلی معلوم ہوگی نہ لذائذ اطعمہ اور خوشبودار اور خوش ذائقہ اشربہ و اَلبِسہ کا شوق ہوگا۔

يُدَارِيْ هَوَاهُ ثُمَّ يَكْتُمُ سِرَّهٗ وَيَخْشَعُ فِيْ كُلِّ الْاُمُوْرِ وَيَخْضَعُ

(ترجمہ) وہ اس کی محبّت خوش اسلوبی سے نبھاتا رہتا ہے۔ پھر اس کے راز پر پردہ پوشی کرتا رہتا ہے اور تمام حالات میں مطیع و فرمانبردار رہتا ہے۔

جوں جوں دیارِ محبوب اور ایّامِ وصال کی قربت ہوتی جائے گی اسی قدر ولولہ اور فریفتگی اور جوش جنون میں ترقی ہوتی جائے گی ؎

وعدۂ وصل چوں شود نزدیک آتشِ شوق تیز تر گردد

ان دنوں جوشِ جنوں ہے ترے دیوانے کو لوگ ہر سُو سے چلے آتے ہیں سمجھانے کو

خونِ دل پینے کو اور لختِ جگر کھانے کو یہ غذا دیتے ہیں جاناں ترے دیوانے کو

نو بہار است جنوں چاک گریباں مددے آتش افتاد بجاں جنبش داماں مددے

قریب پہنچتے ہیں (میقات پر) تو اپنے رہے سہے میلے کچیلے کپڑوں کو پھینک دیتے ہیں، اور اس وادیٔ عشق میں گریبان اور دامن سے کیا کام ؎

ہم نے تو اپنا آپ گریباں کیا ہے چاک اس کو سیا سیا نہ سیا پھر کسی کو کیا

دن رات محبوب کی رٹ پپیہے کی طرح لگی ہوئی ہے۔ (تلبیہ پڑھ رہے ہیں) ؎

رٹت پھرے پیو پیو کنارے ہمرے پیا تو بدیس سدھارے

برہا بردگ سے تلپت جیو اب جن بول پپیہا پیو!

اگر غم ہے تو محبوب کا۔ اگر ذکر ہے تو معشوق کا، اگر طلب ہے تو پیا کا۔ اگر خیال ہے تو دلبر کا،

عشق میں تیرے کوہِ غم سر پہ لیا جو ہو سو ہو　　عیش و نشاطِ زندگی چھوڑ دیا جو ہو سو ہو

کوچۂ محبوب میں پہنچتے ہیں تو اس کی در و دیوار کے اردگرد پوری فریفتگی کے ساتھ چکر لگاتے ہیں چوکھٹ پہ سر ہے تو کہیں دیواروں پر لب ؂

اَمُرُّ عَلَی الدِّیَارِ دِیَارِ لَیْلٰی　　اُقَبِّلُ ذَاالْجِدَارِ وَ ذَاالْجِدَارَا

(ترجمہ) میں گزر رہا ہوں دیار پر یعنی دیار لیلیٰ پر بوسہ دے رہا ہوں اِس دیوار کو اور اُس دیوار کو

وَمَا حُبُّ الدِّیَارِ شَغَفْنَ قَلْبِیْ　　وَلٰکِنْ حُبُّ مَنْ نَزَلَ الدِّیَارَا

(ترجمہ) ان مکانات کی محبّت شغاف قلب میں سرایت کیے ہوئے نہیں ہے بلکہ اس کی محبّت جو ان مکانات میں مقیم ہُوا تھا۔

کسی نے اگر جھوٹی سی خبر دی کہ معشوق کا جلوہ فلاں جگہ نمودار ہونے والا ہے تو بے سر و پیر دوڑتے ہُوئے وہاں پہنچے ۔ نہ کانٹوں کا خیال ہے نہ رستے کے پتھّروں کی فکر ہے نہ گڑھوں میں گرنے کا سوز ہے نہ پہاڑوں کی سختی کا ڈر ہے۔ اہلِ عقل اور اہلِ زمانہ اگر پھبتیاں اُڑاتے ہیں تو کیا شرم ہے ؂

جب پیت بھئی تو لاج کہاں　　سنسار ہنسے تو کیا ڈر ہے

دُکھ درد پڑے تو کیا چنتا　　اور سکھ نہ رہے تو کیا ڈر ہے

اگر ناصحِ نادان معشوق اور عشق سے روکتا ہے تو جس طرح آگ پر پانی کے چھینٹے اس کو اور بھڑکا دیتے ہیں اسی طرح آتشِ عشق اور بھڑک جاتی ہے۔ نادان ناصح کو پتھر مارتے ہُوئے اپنے آپ کو قربان کر دینے کے لیے بیتاب ہو جاتے ہیں ع

ناصحا مت کر نصیحت دل مرا گھبرائے ہے

وَ بِمُهْجَتِیْ یَا عَاذِلَ الْمَلِكَ الَّذِیْ　　اَسْخَطْتُّ كُلَّ النَّاسِ فِیْ اِرْضَائِهٖ

(ترجمہ) اے ملامت گر میری جان اس بادشاہ پہ قربان ہے۔ جس کے راضی رکھنے کی غرض سے مَیں نے تمام کو ناخوش کر دیا ہے۔

فَوَمَنْ اُحِبُّ لَاَعْصِیَنَّكَ فِی الْهَوٰی　　قَسَمًا بِهٖ بِحُسْنِهٖ وَ بَهَائِهٖ

اے ملامت گر! میں محبوب کے حسن و جمال کی قسم کھاتا ہوں کہ محبّت کے بارے میں ضرور تیری نافرمانی کروں گا۔ (متنبی)

میرے محترم! یہ تھوڑا سا خاکہ حج اور عمرہ کا ہے۔ اگر دِل میں تڑپ اور سینہ میں درد نہ ہو تو زندگی ہیچ ہے۔ وہ انسان بھی انسان نہیں جس کے دل ودماغ، رُوح، اعضاءِ رئیسہ محبوبِ حقیقی کے عشق اور ولولہ سے خالی ہوں۔ یہاں عقل کے ہوش گم ہیں۔ جس قدر بھی بے عقلی اور شورش ہوگی اور جس قدر بھی اضطراب اور بے چینی ہوگی اسی قدر یہاں کمال شمار کیا جائیگا۔

موسیا آداب داناں دیگر اند ۔۔۔ سوختہ جان و رواناں دیگر اند

کفرِ کافر را ودینِ دیندار را ۔۔۔ ذرہ دردت دلِ عطار را

عقل وحیا کے مقید ہونے والے عشاق آرام اور راحت کے طلبگار محبین اپنی سچائی کے اثبات سے عاجز ہیں ؂

عشق چوں خام است باشد بستہ ناموس وننگ ۔۔۔ پختہ مغزانِ جنوں را کے حیاز نجیر پاست

اس وادی میں قدم رکھنے والوں کو سرفروشی اور ہر قسم کی قربانی کے لیے پہلے سے تیّار رہنا ضروری ہے۔ آرام اور راحت عزّت اور جاہ کا خیال بھی اس راہ میں سخت ترین بلکہ بدترین ہیں، بدنام کرنے والا گناہ ہے ؂

ناز پروردۂ تنعم نہ برد راہ بدوست ۔۔۔ عاشقی شیوۂ رندانِ بلاکش باشد

یقین می داں کہ آں شاہِ نکو نام ۔۔۔ بدست سر بریدہ می دہد جام

مولانا المحترم! اس وادیٔ پُرخار میں قدم رکھتے ہیں اور متلی کا سر کے چکر کا، بیماری کا، ضعف کا، تکلیف کا، عزّت وجاہ کا فکر ہے۔ افسوس ہے، مردانہ وار قدم بڑھائیے۔ اگر تکلیف سامنے ہو تو خوش قسمتی سمجھیے۔ اگر ستائے جائیں تو محبوب کی عنایت جانیے۔ پسِ پردہ طوطی صفت کون کرا رہا ہے۔

مجنوں کو لیلیٰ کا کاسہ توڑنے پر رقص ہوتا ہے۔ جس میں وہ اپنے خاص تعلقات کا اثبات کرتا ہے اور آپ یہاں جھجکتے ہیں۔ کَلَّا وَاللّٰہِ کَلَّا وَاللّٰہِ۔ اَشَدُّ النَّاسِ بَلَاءً اَلْاَنْبِیَاءُ ثُمَّ الْاَمْثَلُ فَالْاَمْثَلُ قولِ صادق امین ہے (صلّی اللّٰہ علیہ وآلہٖ وسلّم)، قِیْمَۃُ الْمَرْءِ ھِمَّتُہٗ

بِقَدْرِ الْجِدِّ تُکْتَسَبُ الْمَعَالِیْ ۔۔۔ وَمَنْ رَامَ الْعُلٰی سَھِرَ اللَّیَالِیْ

(ترجمہ) درجات کی بلندی باندازِ محنت ہوتی ہے۔ جو شخص بلند درجہ کا قصد کرتا ہے وہ

برابر راتوں کو جاگتا ہے۔

سوائے رضائے محبوبِ حقیقی اور کوئی دھن نہ ہونی چاہیے۔

دنیا و آخرت را بگذار حق طلب کن کایں ہر دو لولیاں را من خوب می شناسم

کوشش ہونی چاہیے کہ مقدس مقامات اور راستہ میں غفلت میں وقت نہ گزرے خصوصاً عرفات کا دن بعد از زوال نہایت ہی غنیمت ہے۔ اس کا ایک لمحہ بھی ضائع نہ ہونا چاہیے۔ اگر لوگوں کی بالخصوص وہاں کے سکّان اور حکّام کی فروگزاشتیں نظر پڑیں تو اس کی طرف توجہ نہ کیجیے۔ اپنے کام سے کام رکھیے۔ اپنے اس نالائق و نابکار سگِ دنیا و رُو سیاہ خادم کو بھی دعواتِ صالحہ میں یاد رکھیے۔ کیا عجب ہے آپ حضرات کی دُعائیں فلاح اور نجات کی اسباب بن جائیں۔ بہتر تو یہ ہوتا کہ کچھ دنوں پوری ہمّت اور محنت کے ساتھ اذکار وغیرہ کر لینے کے بعد حج ہوتا اور زیارت کی مقدس نعمت حاصل کی جاتی تاکہ دونوں کی حقیقت سے اتصال کی نوبت آتی، مگر جب قصد کیا گیا تو پورا کرنا ضروری ہے۔ جہاں تک ہو سکے غفلت کو راہ نہ دیجیے اور ذکر میں مشغول رہیے۔ من نکردم شما حذر بکنید

میں انشاء اللہ شوال ۵ تک یہاں سے روانہ ہو جاؤں گا اور اگر منظورِ الٰہی ہے تو وحید بھی حج میں آپ کے ساتھ ہوگا۔ خداوند کریم سے دُعا ہے کہ آپ سبھوں کو حقیقی نعمت حج زیارت سے مالا مال کر دے، آمین! والدہ ماجدہ اور متعلقین و احباب سے سلام مسنون عرض کر دیں۔

۹ رمضان المبارک ۷ ۴ ۱۳ھ از خلافت آفس سلہٹ

ننگ اکابر حسین احمد غفرلہٗ [۱]

---

[۱] مکتوبات شیخ الاسلام ج ۱ ص ۱۴۶

حافظ نور محمد انور

حضرت بلال حبشیؓ

ارفع و اعلیٰ ہے تیرا دونوں عالم میں مقام — تجھ پہ ہوں لاکھوں سلام اے عاشقِ خیر الانامؐ
موجزن تھا دل میں تیرے اس قدر عشقِ نبیؐ — کافروں کے ظلم سے بھی تو نہ گھبرایا کبھی
بے گماں تجھ پر کیے کفّار نے ظلم و ستم — بالیقیں صابر رہا تو اے بلالِؓ محترم
زندگی بھر تو رہا پروانۂ شمعِ رسولؐ — تیرے دم سے دینِ قیم کے ہوئے زندہ اُصول
ہمّتِ صدّیقؓ سے جب تجھ کو آزادی ملی — مفخرِ احرار تھا تو پھر بہ اشفاقِ نبیؐ
گونجتی تھی جب جہاں میں تیری آوازِ اذاں — کُفر کی دُنیا لرز اُٹھتی تھی اُس دم بے گماں
زیرِ ظلِ مصطفیٰؐ تو دائمًا شاداں رہا — وہ شہِ کونینؐ تجھ پر عمر بھر نازاں رہا
پا گئے جب سرورِ کونینؐ دنیا سے وصال — تیرے دل کو اس قدر اس کا ہوا حزن و ملال
ہوگیا اس مدینے سے روانہ سوئے شام — اور دمشقِ انبیاعؑ میں زندگی کر دی تمام

دل سے انورؔ کے کوئی پوچھے تیری عظمت بلالؓ
دین و دُنیا میں ہیں تیرے کارنامے بے مثال

۱۱ شوال المکرم ۱۴۱۸ھ

حضرت مولانا مفتی محمد عاشق الٰہی بلند شہری مہاجر مدنی

قسط : ۱

اسلام میں عفت و عصمت کی اہمیّت

سورۂ نور میں ارشاد فرمایا

قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ ذٰلِكَ اَزْكٰى لَهُمْ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌ بِمَا يَصْنَعُوْنَ ﴿۳۰﴾ وَقُلْ لِّلْمُؤْمِنٰتِ يَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ وَيَحْفَظْنَ فُرُوْجَهُنَّ وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلٰى جُيُوْبِهِنَّ وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا لِبُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اٰبَآئِهِنَّ اَوْ اٰبَآءِ بُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اَبْنَآئِهِنَّ اَوْ اَبْنَآءِ بُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اِخْوَانِهِنَّ اَوْ بَنِىْٓ اِخْوَانِهِنَّ اَوْ بَنِىْٓ اَخَوٰتِهِنَّ اَوْ نِسَآئِهِنَّ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُنَّ اَوِ التّٰبِعِيْنَ غَيْرِ اُولِى الْاِرْبَةِ

آپ مومنین سے فرما دیجیے کہ اپنی آنکھوں کو پست رکھیں اور اپنی شرم گاہوں کو محفوظ رکھیں یہ ان کے لیے زیادہ پاکیزہ ہونے کی بات ہے، بلاشبہ اللہ ان کاموں سے باخبر ہے جو تم کرتے ہو۔ اور مومن عورتوں سے فرما دیجیے کہ اپنی آنکھوں کو پست رکھیں اور اپنی شرمگاہوں کو محفوظ رکھیں اور اپنی زینت کو ظاہر نہ کریں، مگر جو اس میں سے ظاہر ہو جائے اور اپنے دوپٹوں کو اپنے گریبانوں پر ڈالے رہیں اور اپنی زینت کو ظاہر نہ کریں مگر اپنے شوہروں پر یا اپنے باپوں پر، یا اپنے شوہروں کے باپوں پر، یا اپنے بیٹوں پر، یا اپنے شوہروں کے بیٹوں پر، یا اپنے بھائیوں پر، یا اپنے بھائیوں کے بیٹوں پر، یا اپنی بہنوں کے بیٹوں پر، یا اپنی عورتوں پر، یا اپنی ——

مِنَ الرِّجَالِ اَوِ الطِّفْلِ الَّذِيْنَ لَمْ يَظْهَرُوْا عَلٰى عَوْرٰتِ النِّسَآءِ ص وَلَا يَضْرِبْنَ بِاَرْجُلِهِنَّ لِيُعْلَمَ مَا يُخْفِيْنَ مِنْ زِيْنَتِهِنَّ ط وَتُوْبُوْٓا اِلَى اللّٰهِ جَمِيْعًا اَيُّهَ الْمُؤْمِنُوْنَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ

مملوکہ باندیوں پر، یا ایسے مردوں پر جو طفیلی بن کر رہتے ہیں جنھیں کوئی حاجت نہیں؛ یا ایسے لڑکوں پر جو ابھی عورتوں کی پردہ کی باتوں سے واقف نہیں ہوئے اور مومن عورتیں زور سے اپنے پاؤں نہ ماریں تاکہ ان کی پوشیدہ زینت معلوم ہو جائے اور اے مومنو! تم سب اللہ کے حضور میں توبہ کرو تاکہ تم فلاح پاؤ۔

ان دونوں آیتوں میں پردہ کے احکام بیان فرماتے ہیں، اوّل تو مردوں اور عورتوں کو نظریں پست یعنی نیچی رکھنے کا حکم فرمایا اور ساتھ ہی یہ بھی فرمایا کہ اپنی شرمگاہوں کو محفوظ رکھیں یعنی زنا نہ کریں۔ دونوں باتوں کو ساتھ جوڑ کر یہ بتا دیا کہ نظر کی حفاظت نہ ہوگی تو شرمگاہوں کی حفاظت بھی نہ رہے گی۔ گھروں میں جانے کے لیے جو اجازت لینے کا حکم ہے اس میں جہاں دیگر امور کی رعایت ملحوظ ہے وہاں حفاظتِ نظر بھی مطلوب ہے، جب نظر کی حفاظت ہوگی تو مرد و عورت کا میل جول آگے نہیں بڑھے گا اور زنا تک نہ پہنچیں گے۔ چونکہ نظر کو بھی مزہ آتا ہے اور نظر بازی سے دَواعیِ زنا کی ابتداء ہوتی ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے نظر پر پابندی لگائی ہے اور نظر کو بھی زنا قرار دیا ہے۔ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کا ارشاد ہے کہ آنکھوں کا زنا دیکھنا ہے اور کانوں کا زنا سننا ہے اور زبان کا زنا بات کرنا ہے اور ہاتھ کا زنا پکڑنا ہے اور پاؤں کا زنا چل کر جانا ہے اور دل خواہش کرتا ہے اور آرزو کرتا ہے اور شرمگاہ اس کو سچّا کر دیتی ہے یا جھُوٹا کر دیتی ہے۔ (رواہ مسلم ج ۲ ص ۳۳۶)

مطلب یہ ہے کہ زنا سے پہلے جو زانی مرد اور زانی عورت کی طرف سے نظر بازی اور گفتگو اور چھونا اور پکڑنا اور چل کر جانا ہوتا ہے یہ سب زنا میں شمار ہے اور یہ چیزیں اصلی زنا تک پہنچا دیتی ہیں۔ بعض مرتبہ اصلی زنا کا صدور ہو ہی جاتا ہے (جس کے بارے میں فرمایا کہ شرمگاہ تصدیق کر دیتی ہے) اور بعض مرتبہ اصلی زنا رہ جاتا ہے مرد عورت اسے نہیں کر پاتے (جس کو یُوں بیان فرمایا کہ شرمگاہ جھٹلا دیتی ہے) یعنی اعضاء سے تو زنا کا صدور ہُوا لیکن اس کے بعد اصلی زنا کا

موقع نہیں لگتا، حفاظتِ نظر کا حکم مردوں کو بھی ہے اور عورتوں کو بھی ہے نظر کے بارے میں شریعتِ مطہرہ میں بہت سے احکام ہیں، عورت عورت کے کس حصّے پر نظر ڈال سکتی ہے اور مرد مرد کے کس حصّہ کو دیکھ سکتا ہے اس کے بھی قوانین ہیں اور شہوت کی نظر تو بجز میاں بیوی کے کسی کے لیے حلال ہی نہیں۔

جس نظر سے نفس کو مزہ آئے وہ شہوت کی نظر ہے اگر عورت پردہ نہ کرے مردوں کو تب بھی نظر ڈالنا ممنوع ہے۔ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے اپنے صحابہ سے فرمایا کہ راستوں میں مت بیٹھا کرو، صحابہ نے عرض کیا ہمارے لیے اس کے بغیر کوئی چارہ نہیں ہے۔ ہم راستوں میں بیٹھ کر باتیں کرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا اگر تمہیں یہ کرنا ہی ہے تو راستے کو اس کا حق دیا کرو۔ عرض کیا یا رسول اللہ راستہ کا حق کیا ہے ؟ فرمایا نظریں پست رکھنا، کسی کو تکلیف نہ دینا، سلام کا جواب دینا۔ بھلائی کا حکم کرنا، گناہ سے روکنا۔ (رواہ البخاری) اپنے محرموں سے پردہ نہیں ہے، لیکن اگر وہاں بھی شہوت کی نظر پڑنے لگے تو پردہ کرنا واجب ہوجاتا ہے اور جیسا کہ مردوں کو اپنی محرم عورتوں کو بد نظری سے دیکھنا گناہ ہے۔ اسی طرح عورت پر بھی پردہ لازم ہے کہ اگر یہ سمجھتی ہو کہ میرا فلاں محرم مجھ پر بُری نظر ڈالتا ہے تو پردہ کرے، اگر بے دھیانی سے کہیں ایسی نظر پڑ جائے جو حلال نہیں ہے تو فوراً نظر کو ہٹالیں۔ حضرت جریر بن عبد اللہؓ نے بیان کیا کہ مَیں نے رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم سے پُوچھا اچانک نظر پڑ جائے تو کیا کروں آپؐ نے فرمایا کہ نظر کو پھیر لو۔ (رواہ مسلم)

رسول اللہ صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم نے حضرت علیؓ کو خطاب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ اے علی نظر پڑ جانے کے بعد نظر کو باقی نہ رکھو یعنی جو نظر بے اختیار پڑ جائے اس کو فوراً ہٹالو۔ کیونکہ بے اختیار جو نظری پڑی اس پر مؤاخذہ نہیں جو نظر کو باقی رکھا اس پر مؤاخذہ ہوگا۔ فَاِنَّ لَكَ الْاُوْلٰی وَلَیْسَتْ لَكَ الْاٰخِرَةُ ۔ مشکوۃ المصابیح ص ۲۶۹ حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے ارشاد فرمایا تم مجھے چھ چیزوں کی ضمانت دیدو۔ میں تمہارے لیے جنت کا ضامن ہوجاتا ہوں۔

(۱) جب بات کرو تو سچ بولو۔ (۲) جب وعدہ کرو تو پُورا کرو۔ (۳) جب تمہارے پاس امانت

رکھی جائے تو ادا کردو۔ (۴) اور اپنی شرمگاہوں کو محفوظ رکھو۔ (۵) اور اپنی آنکھوں کو نیچی رکھو۔ (۶) اور اپنے ہاتھوں کو ظلم و زیادتی سے روکے رکھو۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۴۱۵)

اور تم کو حفاظتِ نظر اور حفاظت شرمگاہ کا حکم دینے کے بعد ارشاد فرمایا وَلَا یُبْدِیْنَ زِیْنَتَھُنَّ اِلَّا مَا ظَھَرَ مِنْھَا اور اپنی زینت کو ظاہر نہ کرو مگر جو اس میں سے ظاہر ہو جائے اس میں زینت ظاہر کرنے کو منع فرمایا زینت سے موضعِ زینت یعنی پورا جسم مراد ہے۔ اور ساتھ ہی اِلَّا مَا ظَھَرَ مِنْھَا بھی فرما دیا جس کا مطلب یہ ہے کہ جو زینت خود ظاہر ہو جائے اس کا ظاہر ہو جانا وہ ممنوع نہیں ہے۔ اِلَّا مَا ظَھَرَ مِنْھَا (جو خود ظاہر ہو جائے) سے کیا مراد ہے اس کے بارے میں حضرات صحابہ اور تابعین سے مختلف باتیں منقول ہیں۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ زینت سے کنگن بازو بند پازیب بالیاں اور ہار مراد ہیں۔ (یعنی یہ چیزیں ظاہر نہ کی جائیں) اور اِلَّا مَا ظَھَرَ مِنْھَا سے کپڑے اور بڑی چادریں مراد ہیں۔ (درمنثور ج ۵ ص ۴۱) مطلب یہ ہے کہ جو چیز ایسی ہے جس سے نظروں کو نہیں بچایا جا سکتا۔ مثلاً پہنے ہوئے کپڑے اور کسی ضرورت سے باہر نکلے تو اوپر والی چادر (جس کی جگہ آج کل برقعہ نے لے لی ہے) اور اگر اس پر نظر پڑ جاتے تو یہ اُس اظہار زینت میں شامل نہیں ہے۔ جو ممنوع ہے۔

اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اِلَّا مَا ظَھَرَ مِنْھَا سے ہتھیلی کا خضاب اور انگوٹھی مراد ہے اور ایک روایت میں یوں ہے کہ اُنھوں نے اِلَّا مَا ظَھَرَ مِنْھَا کی تفسیر کرتے ہوئے وُجُھُھَا وَکَفَّاھَا وَالْخَاتَمُ فرمایا حضرت سعید بن جبیرؒ اور حضرت عطاءؒ سے بھی ایسے ہی منقول ہے۔

جب سے لوگوں میں اسلام کا دعوٰی رہ گیا ہے اور اسلام پر چلنے کی ہمت نہیں کرتے اور یہ چاہتے ہیں ہیں کہ دیندار بھی رہیں اور آزاد بھی رہیں ایسے لوگ بے پردگی کے حامی ہیں یہ لوگ چاہتے ہیں کہ مسلمان عورتیں کافر عورتوں کی طرح گلی کوچوں میں پھریں اور بازاروں میں گشت لگائیں ان آزاد منش جاہلوں کو جہالت کا ساتھ دینے والے بعض مصری علماء بھی مل گئے۔ پھر ان مصر کے نام نہاد مفتیوں کا اتباع ہندو پاک کے ناخدا ترس مضمون نگار بھی کرنے لگے۔ ان لوگوں کو اور تو کچھ نہ ملا اِلَّا مَا ظَھَرَ مِنْھَا مل گیا اور اِلَّا مَا ظَھَرَ کی تفسیر جو حضرت ابن مسعودؓ نے کی ہے کہ اس سے کپڑے اور اوپر کی چادر مراد ہے چونکہ یہ ان لوگوں کے جذباتِ نفسانیات کے خلاف تھی اس لیے اس سے تو اعراض کیا اور حضرت ابن عباسؓ سے

جو اس کی تفسیر میں وجہ اور کفین مروی ہے اُسے لے اُڑے، کیا وجہ ہے حضرت ابن مسعودؓ کی تفسیر کو چھوڑا جبکہ وہ پرانے صحابی ہیں سابقین اوّلین میں سے ہیں جن کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ تَمَسَّکُوْ بِعَھْدِ ابْنِ اُمِّ عَبْدٍ کہ ام عبد کے بیٹے (ابن مسعودؓ) کی طرف سے جو دینی حکم ملے اُس کو مضبوطی سے پکڑ لو۔

حضرت ابن عبّاس رضی اللہ عنہ مفسرِ قرآن تھے اور بڑے عالم تھے۔ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے ان کو اَللّٰھُمَّ عَلِّمْہُ الْکِتَابَ کی دُعا بھی دی تھی۔ اگر انہی کی تفسیر کو لیا جائے تب بھی اس سے عورتوں کو بے پردہ ہو کر باہر نکلنے کا جواز ثابت نہیں ہوتا۔ کیونکہ اوّل تو آیت شریفہ میں اِلَّا مَا ظَھَرَ فرمایا اِلَّا مَا اَظْھَرْنَ نہیں فرمایا (یعنی یہ نہیں فرمایا کہ عورتیں ظاہر کیا کریں بلکہ یُوں فرمایا کہ جو ظاہر ہو جائے۔) اب سمجھ لیں جب عورتیں چہرہ کھول کر باہر نکلیں گی تو اظہار ہوگا یا ظہور ہوگا کیا اس کو یُوں کہیں گے کہ بلا اختیار ظاہر ہوگیا ہے۔ پھر یہ بھی واضح رہے کہ آیت میں نامحرم کے سامنے ظاہر ہونے کا ذکر نہیں ہے۔ عورتوں کی پردہ دری کے حامی یہاں نامحرموں کو گھسیٹ کر خود لے آتے۔ حضرت ابن عبّاس رضی اللہ عنہ کے کلام میں نامحرموں کے سامنے عورت کے چہرہ اور کفین کے ظاہر ہونے اور ظاہر کرنے کا کوئی ذکر نہیں ہے۔ ان کی بات کا سیدھا سادہ مطلب یہ ہے کہ عورت کو عام حالات میں جبکہ وہ گھر میں کام کاج میں لگی ہُوئی ہو سارے کپڑے پہنے رہنا چاہیے اگر چہرہ اور ہاتھ کھلا رہے اور گھر کی عورتیں اور باپ بیٹے دوسرے محرموں کی نظر پڑ جائے یہ جائز ہے۔

یہ لوگ اپنی دلیل میں ایک حدیث کو پیش کرتے ہیں اور وہ یہ ہے کہ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے حضرت اسماء بنت ابوبکر سے فرمایا کہ اے اسماء جب عورت کو حیض آجائے یعنی بالغ ہو جائے تو اس کے لیے یہ ٹھیک نہیں ہے کہ چہرہ اور ہتھیلیوں کے علاوہ کچھ نظر آجائے، اوّل تو یہ حدیث ہی منقطع الاسناد ہے جسے حضرت امام ابوداؤد نے روایت کیا، لیکن ساتھ ہی یہ بھی فرما دیا کہ خالد بن دریک لم یسمع من عائشۃ رضی اللہ عنہا[1] پھر اس میں بھی نامحرموں کو دیکھنے دکھانے کا بھی کوئی

---

[1] نیز اس میں ایک راوی سعید بن بشیر بھی ہے جسے محدّثین کرام میں سے بعض نے منکرالحدیث اور بعض نے حاطب اللیل اور بعض نے لیس بشیٍٔ اور بعض نے ردیٔ الحفظ فاحش الخطاء کہا ہے بعض حضرات نے فرمایا ہے یروی عن قتادۃ المنکرات۔ تہذیب التہذیب ص ۹ ج ۴۔

ذکر نہیں ہے۔

ان لوگوں نے اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا ہی کو دیکھ لیا اور سورۃ احزاب کی آیت وَ قَرْنَ فِیْ بُیُوْتِكُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْاُوْلٰى[1] اور دوسری آیت وَ اِذَا سَاَلْتُمُوْهُنَّ مَتَاعًا فَاسْئَلُوْهُنَّ مِنْ وَّرَاءِ حِجَابٍ[2] اور تیسری آیت یٰاَیُّهَا النَّبِیُّ ۔ قُلْ لِاَزْوَاجِكَ وَبَنَاتِكَ وَنِسَآءِ الْمُؤْمِنِیْنَ یُدْنِیْنَ عَلَیْهِنَّ مِنْ جَلَابِیْبِهِنَّ[3] پر نظر نہ کی۔

پردہ کے مخالفوں کو یہ منظور ہے کہ ان کی ماں بہنیں بہو بیٹیاں بے پردہ ہو کر باہر نکلیں خود تو بے شرم ہے ہی ۔ اپنی خواتین کو بھی شرم کی حدود سے پار کرنا چاہتا ہے۔ پردہ شکنی کی دلیل کے لیے کچھ بھی نہ ملا تو حضرت ابن عباسؓ کے قول کو حجّت بنا لیا اور اسے قرآنِ کریم کے ذمّہ لگا لیا۔ حالانکہ قرآن مجید میں وَجہ اور کَفَّیْن کا کہیں ذکر نہیں ہے۔ ان لوگوں کی وہی مثال ہے کہ چوہے کو ہلدی کی ایک گرہ مل گئی تو جلدی سے پنساری بن بیٹھا۔

بعض لوگوں نے نماز کے مسئلہ سے دھوکہ کھایا ہے یا خود سے دھوکہ کھانے کا بہانہ بنایا ہے یہ لوگ کہتے ہیں کہ نماز کے بیان میں یُوں لکھا ہے کہ عورت کا چہرہ اور ہتھیلی ستر میں داخل نہیں ہے اس سے بھلا نامحرموں کے سامنے چہرہ کھولنا کیسے ثابت ہُوا۔ نماز میں جسم ڈھکنے کا مسئلہ اور ہے اور نامحرموں کے سامنے چہرہ کھولنا یہ دوسری بات ہے۔ دیکھیے صاحبِ درالمختار شروط الصلاۃ کے بیان میں حرۃ یعنی آزاد عورت کی نماز میں پردہ پوشی کا حکم بتاتے ہُوئے لکھتے ہیں وللحرۃ جمیع بدنھا حتی شعرھا النازل فی الاصح خلا الوجہ والکفین فظھر الکف عورۃ علی المذھب والقدمین علی المعتمد اس میں یہ بتایا کہ نماز میں آزاد عورت کے لیے چہرہ اور ہتھیلیاں اور دونوں قدم کے علاوہ سارے بدن کا ڈھانکنا لازم ہے۔

یہاں تک کہ جو بال سر سے لٹکے ہُوئے ہوں اُن کا ڈھانپنا بھی ضروری ہے۔ اس کے بعد

---

[1] اور تم اپنے گھروں میں قرار سے رہو اور قدیم زمانہ جاہلیت کے دستور کے موافق مت پھرو۔

[2] اور جب تم ان سے کوئی چیز طلب کرو تو پردے کے باہر سے طلب کرو۔

[3] اے نبی اپنے بیویوں اور اپنی بیٹیوں اور دوسرے مسلمانوں کی بیویوں سے فرما دیجیے کہ اپنے اُوپر چادریں نیچی رکھا کریں۔

لکھتے ہیں۔ وتمنع المرءة الشابة من کشف الوجه بین رجال لا لانه عورة بل لخوف الفتنة کمسّه وان امن الشهوة لانه اغلظ ولذا ثبت به حرمة المصاهرة ولا یجوز النظر الیه بشهوة کوجه الامرد فانه یحرم النظر الی وجهها ووجه الامرد اذا شك فی الشهوة اما بدونها فیباح ولو جمیلا کما اعتمده الکمال۔ فقہاء پر اللہ تعالیٰ کی رحمتیں ہوں جن کو اللہ تعالیٰ نے متنبہ فرما دیا کہ ایسے لوگ بھی ہو سکتے ہیں جو نماز کے مسئلے سے نامحرموں کے سامنے چہرہ کھولنے پر استدلال کر سکتے ہیں۔ اس لیے انہوں نے کتاب الصلاۃ ہی میں نماز میں ستر عورت کا حکم بتا کر فوراً اسی جگہ یہ بھی بتا دیا کہ جوان عورت کو مردوں کے سامنے چہرہ کھولنے سے منع کیا جائے گا۔ کیونکہ اس میں فتنہ کا ڈر ہے اور جوان عورت کے چہرے کی طرف اور بے ریش لڑکے کے چہرے کی طرف دیکھنا جائز نہیں ہے جبکہ اس میں شک ہو کہ شہوت یعنی نفس کی کشش ہوگی جب اس میں شک ہو کہ دیکھنے میں شہوت ہوگی یا نہیں اس صورت میں نہ صرف یہ کہ عورت کے چہرہ پر نظر ڈالنا حرام ہے بلکہ بے ریش لڑکے کو دیکھنا بھی حرام ہوگا تو جب شہوت کا یقین یا غالب گمان ہو تو نظر ڈالنا کیونکر حرام نہ ہوگا۔

اسی لیے صاحب درمختار کتاب الحظر والاباحۃ میں لکھتے ہیں فان خاف الشهوة اوشك امتنع نظره الی وجهها فحل النظر مقید بعدم الشهوة والا فحرام۔ یعنی نامحرم عورت کی طرف دیکھنا ممنوع ہے۔ اگر شہوت کا اندیشہ یا شہوت ہو جانے کا شک ہو پس نظر کا حلال ہونا اس صورت کے ساتھ مقید ہے کہ شہوت نہ ہو، ورنہ حرام ہے اس سے معلوم ہوا کہ جن حضرات نے حضرت ابن عباسؓ کی تفسیر الا وجهها وکفیها کو اختیار کر کے نامحرموں کے سامنے چہرہ کھولنے کو جائز کہا ہے وہ اس صورت میں ہے جبکہ دیکھنے والے کو شہوت یعنی نفسِ نظر کے مزے کا خوف یا شک نہ ہو۔ اسی سے سمجھ لیا جائے کہ اس زمانہ میں جو عورت چہرہ کھول کر باہر نکلے گی اس پر نظر ڈالنے والے مرد عموماً شہوت والے ہیں یا بلا شہوت والے ہیں۔

اچھا اب صاحب جلالین کی عبارت پڑھیے وہ لکھتے ہیں۔ ولا یبدین زینتهن الا ما ظهر منها وهو الوجه والکفان فیجوز نظره لاجنبی ان لم یخف فتنة فی احد الوجهین والثانی یحرم لانه مظنة الفتنة ورجح حسمًا للباب یعنی ما ظهر منها سے (حضرت ابن عباسؓ کے قول کے مطابق) چہرہ اور ہتھیلیاں مراد ہیں۔ لہٰذا اگر فتنہ کا خوف نہ ہو تو اجنبی کو دیکھنا

جائز ہے یہ (شافعیہ کے نزدیک) ایک رائے ہے اور دوسری رائے یہ ہے کہ چونکہ چہرہ کو دیکھنے میں فتنہ کا احتمال ہے اس لیے اجنبی کو نامحرم عورت کے چہرے کو دیکھنا جائز نہیں ہے۔ اس دوسری رائے کو ترجیح دی گئی ہے تاکہ فتنہ کا دروازہ بالکل بند ہوجائے۔

اظہار زینت کی ممانعت کے بعد فرمایا وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلٰى جُيُوْبِهِنَّ (اور چاہیے کہ مومن عورتیں اپنے دوپٹوں کو اپنے گریبانوں پر ڈالے رہا کریں اس میں سینہ ڈھانکے رہنے کا حکم فرمایا ہے کیونکہ گریبان عموماً سینے پہ ہی ہوتا ہے زمانۂ جاہلیّت میں عورتیں سروں پہ دوپٹے ڈال کر دونوں کنارے پشت کی طرف چھوڑ دیا کرتی تھیں جس سے گریبان اور گلا اور سینہ اور کان کھلے رہتے تھے۔ اللہ تعالیٰ شانہ، نے مومن عورتوں کو حکم دیا کہ ان چیزوں کو چھپا کر رکھیں (کما ذکر ابن کثیر ج ۳ ص ۲۸۴) صحیح بخاری ص ۷۰۰ میں ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں آیت وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلٰى جُيُوْبِهِنَّ نازل فرمائی تو اُنھوں نے اپنی چادروں کو پھاڑ کر دوپٹے بنا لیے یہ حدیث سنن ابی داؤد کتاب اللباس ج ۲ ص ۲۱۱ میں بھی ہے اس میں لفظ ہے شَقَقْنَ اَكْثَفَ مُرُوْطِهِنَّ فَاخْتَمَرْنَ بِهَا کہ اُنھوں نے اپنی موٹی موٹی چادروں کو کاٹ کر دوپٹے بنا لیے۔ (اس سے معلوم ہُوا کہ سروں کے دوپٹے ایسے ہونے چاہییں کہ جن میں بال نظر نہ آئے اور اُنھیں اس طرح اوڑھا جائے کہ سر گردن اور کان اور سینہ سب ڈھکا رہے۔ یاد رہے کہ یہ عام حالات میں گھروں میں رہتے ہُوئے عمل کرنے کا حکم ہے باہر نکلنے کا اس میں ذکر نہیں ہے۔ باہر نکلنے میں تو چہرہ ڈھانکنا بھی لازم ہے جبکہ نامحرموں کی نظریں پڑنے کا اندیشہ ہو دَورِ حاضر میں فیشن ایبل عورتوں نے جنھیں قرآن حدیث کے احکام کی طرف نظر کرنے کا دھیان ہی نہیں ہے۔ اوّل تو باریک دوپٹے بنا لیے ہَیں جن میں بال نظر آتے ہیں اُنھیں اوڑھ کر نماز بھی نہیں ہوتی اور دوسرے ذرا بہت حصّہ سر پر ڈال کر چل دیتی ہیں زمانہ جاہلیّت کی عورتوں کی طرح آدھے آدھے سینے تک سب کچھ کھلا رہتا ہے جن لوگوں نے یُوں کہہ دیا کہ چہرہ ڈھانکنا پردہ میں شمار نہیں ہے اُنھوں نے یہ نہ سوچا کہ عورت بے پردگی کو صرف چہرہ تک محدود نہ رکھے گی۔ عورت کا مزاج بننے ٹھننے اور دکھانے کا ہے اب دیکھ لو بے پردہ باہر نکلنے والی عورتوں کا کیا حال ہے کیا صرف چہرہ ہی کھلا رہتا ہے۔ ان لوگوں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے قول کو دیکھ لیا اور اس کا مطلب غلط لے لیا پھر اپنے ذاتی رائے کو عورتوں میں پھیلا کر اِنَّ مِنَ الْعِلْمِ جَهْلًا کا

مصداق بن گیا۔

اس کے بعد ان مردوں کا ذکر فرمایا جن کے سامنے زینت کا اظہار جائز ہے۔ یہ وہ مرد ہیں جن سے فتنے کا کوئی خطرہ نہیں۔ کیونکہ یہ محرم ہیں جو خود ان عورتوں کی عصمت وعفت کے محافظ ہوتے ہیں پھر اُن کا رشتہ ایسا ہے کہ رہن سہن میں ان سے پردہ کا اہتمام کرنا دشوار بھی ہے۔ اب اس کی تفسیر سنیئے۔ اوّلاً یوں فرمایا وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا لِبُعُوْلَتِهِنَّ (اور اپنی زینت کو ظاہر نہ کریں مگر اپنے شوہروں پر) شوہر کا تعلق تو بے پردگی ہی کا ہے۔ میاں بیوی کا آپس میں کسی جگہ کا کوئی پردہ نہیں، لیکن اعضائے مخصوصہ کو نہ دیکھنا پھر بھی افضل ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا ما نظرت فرج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قط ولا رأی منی۔ (رواہ ابن ماجہ) نہ میں نے کبھی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شرم کی جگہ کو دیکھا اور نہ آپ نے میری شرم کی جگہ کو دیکھا بلکہ میاں بیوی والا بے تکلفی والا جو خاص کام ہے اس وقت بھی پوری طرح ننگے ہونے سے منع فرمایا ہے[1]۔

اَوْ اٰبَآئِهِنَّ (یا اپنے باپوں کے سامنے)

اَوْ اٰبَآءِ بُعُوْلَتِهِنَّ (یا اپنے شوہروں کے باپوں کے سامنے)

اَوْ اَبْنَآئِهِنَّ (یا اپنے بیٹوں کے سامنے)

اَوْ اَبْنَآءِ بُعُوْلَتِهِنَّ (یا اپنے شوہروں کے بیٹوں کے سامنے، یا اپنے بیٹے ہوں یا دوسری بیوی سے ہوں۔

اَوْ اِخْوَانِهِنَّ (یا اپنے بھائیوں کے سامنے)

اَوْ بَنِيْٓ اِخْوَانِهِنَّ (یا اپنے بھائیوں کے بیٹوں کے سامنے)

اَوْ بَنِيْٓ اَخَوٰتِهِنَّ (یا اپنے بہنوں کے بیٹوں کے سامنے)

آیت کریمہ کے مندرجہ بالا الفاظ سے معلوم ہوا کہ عورت کا اپنا باپ (جس میں دادا بھی شامل ہے) اور شوہر کا باپ اور اپنے لڑکے اور شوہر کے لڑکے (جو کسی دوسری بیوی کے ہوں) اور اپنے بھائی (خواہ حقیقی بھائی ہوں خواہ باپ شریک بھائی ہوں خواہ ماں شریک) اور اپنے بھائیوں کے لڑکے اور اپنی بہنوں کے لڑکے (اس

---

[1] عن ابی امامۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا أتی احدکم أھلہ فلیستتر علیہ وعلی أھلہ ولا یتعریان تعری الحمیر۔ رواہ الطبرانی وفیہ عفیر بن معدان وھو ضعیف۔

میں تینوں قسم کے بہن بھائی داخل ہیں جن کا ذکر اُوپر ہُوا) ان لوگوں کے سامنے عورت زیب و زینت کے ساتھ آسکتی ہے اور یہ لوگ عورت کے محارم کہلاتے ہیں، لیکن ان لوگوں کو بھی اپنی محرم عورتوں کا پُورا بدن دیکھنا جائز نہیں ہے یہ لوگ اپنے محرم عورت کا چہرہ اور سَر اور بازُو پنڈلیاں دیکھ سکتے ہیں بشرطیکہ عورت کو اور دیکھنے والے مرد کو اپنے نفس پر اطمینان ہو یعنی جانبین میں سے کسی کو شہوت کا اندیشہ نہ ہو اور اپنی محرم عورت کی پشت اور پیٹ اور ران کا دیکھنا جائز نہیں ہے۔ اگرچہ شہوت کا اندیشہ نہ ہو[1]۔ محرم اس کو کہتے ہیں جس سے کبھی بھی نکاح کرنا حلال نہ ہو۔ اُوپر جن لوگوں کا ذکر ہُوا، ان کے علاوہ چچا ماموں خالہ اور پھوپھی بھی محارم ہیں۔ دُودھ شریک بھائی بہن اور رضاعی بیٹا (جسے دُودھ پلایا ہو) بھی محرم ہیں۔ ان لوگوں کے بھی وہی احکام ہیں جو اُوپر مذکور ہُوئے۔ خالہ اور پھوپھی اور چچا تایا کے لڑکے اور بہنوئی محرم نہیں ہیں۔ ان کا وہی حکم ہے جو غیر محرم کا حکم ہے۔

اس کے بعد فرمایا اَوْ نِسَآئِهِنَّ (یا اپنی عورتوں کے سامنے) یعنی مُسلمان عورتیں مسلمان عورتوں کے سامنے اپنی زینت ظاہر کر سکتی ہیں۔ صاحب ہدایہ نے لکھا ہے کہ ایک مرد دوسرے مرد کے سارے بدن کو دیکھ سکتا ہے۔ البتہ ناف سے لے کر گھٹنے تک مرد بھی مرد کو نہیں دیکھ سکتا۔ اسی طرح عورت بھی دوسری عورت کے سارے بدن کو دیکھ سکتی ہے، البتہ ناف سے لے کر گھٹنے تک کے حصّہ کو نہیں دیکھ سکتی اور ان دونوں مسئلوں میں بھی وہی قید ہے کہ شہوت کی نظر نہ ہو۔ بہت سی عورتیں ولادت کے وقت بہت زیادہ بے احتیاطی کرتی ہیں۔ دائی اور نرس کو بچّہ پیدا کرانے کے لیے بقدرِ ضرورت صرف پیدائش کی جگہ دیکھنا جائز ہے اس سے زیادہ دیکھنا منع ہے۔ آس پاس جو عورتیں موجود ہوں اگرچہ ماں بہن ہی ہوں وہ بھی ناف سے لے کر گھٹنے تک کا حصّہ نہ دیکھیں کیونکہ ان کا دیکھنا بلا ضرورت ہے۔ نرس اور دائی کو تو مجبوراً نظر ڈالنی پڑتی ہے۔ دوسری عورتوں کو تو کوئی مجبوری نہیں ہے۔ لہٰذا انھیں دیکھنے کی اجازت نہیں ہے دستور ہے کہ ولادت کے وقت عورت کو ننگی کرکے ڈال دیتی ہیں اور عورتیں دیکھتی رہتی ہیں یہ حرام ہے۔

---

[1] قال صاحب الهداية الا اذا كان يخاف عليها على نفسه الشهوة فحينئذٍ لا ينظر ولا يمس لقوله عليه السلام العينان تزنيان، (الحديث)

آیت شریفہ میں جو اَوْ نِسَآئِهِنَّ فرمایا ہے ۔ (اپنی عورتیں) اس میں لفظ "اپنی" سے حضرات مفسّرین علماء اور فقہاء کرام نے ــــــ یہ مسئلہ ثابت کیا ہے کہ جو کافر عورتیں ہیں اُن کے سامنے مسلمان عورتیں بے پردہ ہوکر نہ آئیں کیونکہ وہ اپنی عورتیں نہیں ہیں ۔ مفسّر ابن کثیرؒ نے حضرت مجاہد تابعیؒ سے نقل کیا ہے کہ لا تضع المسلمة خمارها عند مشركةٍ لانّ الله تعالٰى يقول اَوْ نِسَآئِهِنَّ فليست من نِسَآئِهِنَّ یعنی مُسلمان عورت اپنا دوپٹہ کسی مشرک عورت کے سامنے اُتار کر نہ رکھے ۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اَوْ نِسَآئِهِنَّ فرمایا ہے اور مُشرک عورتیں مسلمان عورتوں میں سے نہیں ہیں ۔ اھ ہر کافرہ عورت مُشرکہ یا غیر مُشرکہ اس کا یہی حکم معالم التنزیل میں ہے ۔ والكافرة ليست من نسائنا لانها اجنبية فى الدين كتب عمر بن خطاب الى ابى عبيدة ابن الجراح رضى الله عنهما يمنع نساء اهل الكتاب ان يدخلن الحمامة مع المسلمات اھ اور در مختار کتاب الحظر والاباحہ میں ہے والذمية كرجل اجنبى فلا تنظر الى بدن المسلمة (ذمی عورت یعنی کافر عورت جو مسلمانوں کی عمل داری میں رہتی ہو وہ مُسلمان عورت کے بدن کو نہ دیکھے) اس کے ذیل میں صاحب ردالمحتار نے لکھا ہے ۔ لا يحل للمسلمة ان تنكشف بين يدى يهودية او نصرانية او مشركة الا ان تكون امة لها كما فى السراج ونصاب الاحتساب ولاينبغى للمرأة الصالحة ان تنظر اليها المرأة الفاجرة لانها تصفها عند الرجال فلا تضع جلبابها ولاخمارها كما فى السراج (مُسلمان عورت کے لیے یہ حلال نہیں ہے کہ یہودیہ یا نصرانیہ یا مُشرکہ عورت کے سامنے بے پردہ ہو، ہاں اگر اسکی اپنی مملوکہ باندی ہو تو اس کے سامنے آنا مستثنیٰ ہے اور کسی نیک عورت کے لیے یہ مناسب نہیں ہے کہ فاجر عورت کے سامنے بے پردہ ہو جائے کیونکہ وہ مردوں کے سامنے اس کا حال بیان کرے گی لہٰذا اس کے سامنے اپنی چادر دوپٹے کو نہ اُتارے ۔ (ردالمحتار ج ۵ ص ۲۳۸)

بعض عُلماء نے فرمایا ہے کہ مسلمان عورت کافر عورت کے سامنے صرف چہرہ اور ہتھیلیاں کھول سکتی ہے ۔ تمام غیر مسلم عورتیں بھنگن دھوبن نرس لیڈی ڈاکٹر وغیرہ جو بھی ہوں ان سب کے متعلّق وہی حکم ہے جو اُوپر بیان ہُوا ۔ بچّہ پیدا کرانے کے لیے مسلمان دائیاں نرس کو بُلائیں اور یہ بھی بقدرِ ضرورت پیدائش کی جگہ میں نظر ڈال سکتی ہے اور اگر کسی غیر مسلم عورت کو بچّہ جنوانے کے لیے بلائیں تو اس کے سامنے کوئی عورت سَر نہ کھولے اور جہاں تک ممکن ہو کافر عورت کو بُلانے سے پرہیز کریں ۔ وذكر ابن كثير فى تفسيره عن مكحولٍ وعبادة بن نسى انهما كره ان تقبل النصرانيةُ واليهوديةُ والمجوسيةُ المسلمةَ ۔

(قسط:۱)

شخصیات

ابو جعفر محمد بن جریر الطبری

(سیرت و سوانح)

پروفیسر خالد بزمی صاحب

خداوندِ قدوس نے اِس جہاں میں بے شمار جلیل القدر اور عظیم المرتبت شخصیات پیدا فرمائی ہیں۔ اور اس سلسلے میں اسلام کا دامن تو خاص طور پر کشادہ ہے، چنانچہ تاریخ کے صفحات شاہد ہیں کہ مسلمانوں میں اِس قدر باکمال اور بافضیلت شخصیّات پیدا ہوتی ہیں کہ اُن کے علمی شاہکاروں اور ادبی کارناموں کو دیکھ کر انسانی عقل و فکر حیران رہ جاتی ہے۔

ہمارے زیرِ موضوع علّامہ ابن جریر بھی اِس سلسلے میں ایک ممتاز اور عدیم المثال شخصیّت کے مالک تھے۔ ذیل میں اُن کے بعض ضروری حالاتِ زندگی درج کیے جاتے ہیں۔

نام و نسب

عربی ادب کے مشہور مؤرّخ یاقوت رومی نے اپنی کتاب "معجم الادباء" میں تحریر کیا ہے۔ "ایک[1] روز کسی شخص نے ابن جریر سے اُن کے نسب کے بارے میں دریافت کیا تو اُنھوں نے جواب میں کہا۔ محمد بن جریرؒ سائل نے کہا ہمیں اپنے نسب سے متعلّق مزید کچھ بتائیے۔ اس پر ابن جریر نے مشہور رجز گو شاعر روؔبہ کا یہ شعر پڑھ کر سُنا دیا۔

قد رفع العَجّاجُ ذکری فادعنی باسمی اذا الانساب طالت یکفنی

[1] معجم الادباء جلد ۱۸ صفحہ ۴۷

ترجمہ: عالمِ انساب تو میرا ذکر دُور تک لے گیا۔ تم مجھے میرے نام سے ہی پُکارو جب نسب طویل ہو جائیں تو مجھے یہی کافی ہے۔"

بہرکیف اُن کی کنیت ابوجعفر، نام محمد، باپ کا نام جریر، دادا کا نام یزید اور علاقائی نسبت طبری ہے جہاں تک اُن کا نسب نامہ معلوم ہوتا ہے اس اعتبار سے ابوبکر خطیب[1] بغدادی کی رائے کے مطابق اُن کا نام ونسب ابوجعفر محمد بن جریر بن یزید بن کثیر بن غالب الطبری ہے۔ چنانچہ یاقوت[2] رُومی اور علامہ ابونصر تاج الدین[3] سبکی دونوں کو اس سلسلے میں خطیب سے اتفاق ہے۔

لیکن قاضی ابن خلکان[4] نے مذکورہ نسب نامہ لکھ کر ساتھ ہی یہ بھی تحریر کیا ہے کہ اُن کو ابوجعفر محمد بن جریر بن یزید بن کثیر بن خالد الطبری بھی کہا جاتا ہے۔ گویا اس اعتبار سے اُن کے نسب نامے کے اندر غالب اور خالد کا اختلاف ہے۔

علامہ ابن الندیم[5] نے اپنی مشہور کتاب "الفہرست" میں ابوالفرج النہروانی کی روایت سے مؤخر الذکر نسب نامہ سے اتفاق کیا ہے۔

لیکن وہ بیک وقت ابوجعفر، ابن جریر یا فقط امام طبری وغیرہ میں سے ہر نام کے ساتھ یکساں طور پر مشہور تھے اور یہ خصوصیت اُن کی انتہائی شہرت پر شاہد ہے۔

عربی کے مشہور شاعر ابوبکر[6] الخوارزمی اُن کی بہن کے بیٹے تھے۔

سنِ ولادت

ابنِ جریر کے سنِ ولادت کے بارے میں اُن کے تذکرہ نگاروں کے اندر ذرا سا اختلاف پایا جاتا ہے چنانچہ اُن میں سے کسی نے ۲۲۴ھ اور کسی نے ۲۲۵ھ تحریر کیا ہے۔

خطیب[7] بغدادی نے اپنی کتاب "تاریخ بغداد" میں لکھا ہے کہ وہ ۲۲۴ھ کے آخر یا ۲۲۵ھ کے آغاز میں پیدا ہوئے۔ خطیب بغدادی نے اس اختلاف کا سبب حسب ذیل بیان کیا ہے۔

"ابن جریر کے ایک[8] مشہور شاگرد قاضی ابوبکر بن کامل کہتے ہیں کہ مَیں نے ابن جریر سے اُن کے سنِ

---

[1] تاریخ بغداد جلد ۲ ص ۱۶۲ [2] معجم الادباء جلد ۱۸ ص ۴۰ [3] طبقات الشافعیہ جلد ۲ ص ۱۳۵ [4] وفیات الاعیان ص ۴۵۶ [5] کتاب الفہرست جلد ۱ ص ۲۳۴ [6] وفیات الاعیان ص ۴۵۶ [7] تاریخ بغداد جلد ۲ صفحہ ۱۶۲ [8] معجم الادباء ج ۱۸ ص ۴۸

ولادت کے اِس اختلاف سے متعلق دریافت کیا کہ آپ کو اس بارے میں شک کیونکر ہُوا ؟ تو اُنھوں نے کہا۔ اِسکی وجہ یہ ہے کہ ہمارے اہلِ شہر سالوں کی بجائے مشہور واقعات کی مدد سے تاریخ منضبط کرتے ہیں، چنانچہ میری تاریخ پیدائش بھی ایک واقعہ سے وابستہ ہے جو اُن دنوں ہمارے شہر میں پیش آیا تھا۔ پھر جب میں بڑا ہُوا تو میں نے اُس واقعہ کے بارے میں دریافت کیا۔ اس پر لوگوں نے مجھے مختلف بتایا۔ اُن میں سے بعضوں نے کہا کہ وہ واقعہ ۲۲۴ھ کے آخر میں ہُوا تھا۔ اور دوسروں نے کہا کہ وہ ۲۲۵ھ کے آغاز میں پیش آیا تھا۔

مقامِ پیدائش

ابنِ جریر کے مقامِ پیدائش ہونے کا فخر و شرف آمُل کی سرزمین کو نصیب ہُوا۔ آمل طبرستان کا ایک مشہور شہر ہے جو سلطان نورالدّین زنگیؒ کے عہد میں دارالسلطنت بھی رہ چکا ہے۔

ابنِ جریر کی علاقائی نسبت طبری اِسی طبرستان کے باعث مشہور ہوئی ہے۔ علاقہ طبرستان کی وجہ تسمیہ کے سلسلے میں خود اُنھی کی زبانی ایک دلچسپ حکایت مذکور ہے۔

"ابو جعفر[1] نے کہا۔ میں ایک بار ابو حاتم سجستانی کے پاس گیا۔ اُن کے پاس قیاس کے بارے میں ایک حدیث تھی۔ مَیں نے اُن سے اِس حدیث کے سلسلے میں استفسار کیا تو اُنھوں نے مجھے وہ حدیث بتا دی۔ پھر وہ مجھ سے پُوچھنے لگے تم کس علاقے سے آئے ہو؟ مَیں نے کہا۔ "میں طبرستان سے آیا ہوں"۔ وہ کہنے لگے۔ "اس علاقے کا نام طبرستان کیوں ہے"؟ میں نے جواب دیا۔ "مجھے اِس بارے میں کچھ معلوم نہیں"۔ اُنھوں نے کہا "جب یہ علاقہ فتح ہُوا اور اِس میں عمارات بننے لگیں تو اس زمین پہ بے شمار درخت تھے، چنانچہ اِن درختوں کو کاٹنے کے لیے کسی چیز کی ضرورت پڑی۔ اِس پہ لوگ طبر (فارسی میں تبر یعنی کلہاڑی) لے آئے جس سے درخت کاٹے جاتے تھے، چنانچہ اِس علاقے کا نام اس مناسبت سے 'طبرستان' مشہور ہوگیا۔

ایامِ طفولیّت

ابنِ جریر کے عہدِ طفلی کے بارے میں جو کچھ معلومات موجود ہیں وہ ابوبکر بن کامل کی ایک روایت سے

---

[1] معجم الادباء ج ۱۸ ص ۴۸

ابنِ جریر کی اپنی زبانی سُنیے ۔ ابوبکر بن کامل کہتے ہیں۔

"میں ایک روز نمازِ مغرب سے پہلے ابوجعفرؒ کے پاس آیا اور میرے ساتھ میرا بیٹا ابورفاعہ تھا جو اُس وقت سخت علیل تھا۔ ابوجعفر نے اس کو دیکھ کر مجھ سے کہا "کیا یہ تمہارا بیٹا ہے؟" میں نے کہا۔ "ہاں" ۔ ابوجعفر کہنے لگے "اس کا نام کیا ہے؟" میں نے "عبدالغنی" ۔ انھوں نے فرمایا "خدا اِس کو غنی کرے۔ تم نے اِس کی کنیت کیا مقرر کی ہے؟" میں نے کہا "ابورفاعہ" ۔ انھوں نے فرمایا۔ "خدا اِس کو رفعت عطا کرے۔ کیا اس کے علاوہ تمہارا اور بھی کوئی بیٹا ہے؟ میں نے کہا ۔ "ہاں، وہ اِس سے چھوٹا ہے۔" انھوں نے کہا۔ "اور اُس کا نام کیا ہے؟" میں نے کہا۔ "عبدالوہاب ابویعلیٰ" ۔ یہ سُن کر فرمانے لگے ۔ "خدا اِس کو عالی قدر بنائے۔ تم نے تو نام اور کنیتیں چُن لی ہیں" پھر مجھ سے دریافت کرنے لگے "اِس لڑکے کی عمر کیا ہے؟" میں نے کہا۔ "نو سال" فرمانے لگے ۔ "تم نے اس کو میرے پاس حدیث کی سماعت کے لیے کیوں نہیں بھیجا؟" میں نے کہا ۔ "مجھے اِس کے بچپن اور قلتِ ادب کا اندیشہ تھا۔ اِس پر انھوں نے مجھے بتایا۔ "میں جب سات برس کا تھا تو میں نے قرآنِ عظیم حفظ کرلیا تھا۔ جب آٹھ برس کا ہُوا تھا تو میں نے لوگوں کو نماز پڑھائی اور جب نو برس کا ہو گیا تو میں نے حدیث کی کتابت کا آغاز کردیا تھا۔"

میرے باپ نے خواب میں دیکھا کہ میں رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کے سامنے حاضر ہوں، اور میرے پاس سنگریزوں سے بھرا ہُوا ایک تھیلا ہے اور میں ان سنگریزوں کو آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کے سامنے ڈال رہا ہوں۔

اس پر تعبیر دان نے بتایا کہ اگر یہ بچّہ بڑا ہو گیا تو آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کے دین کا خیرخواہ اور اُن کی شریعت کا پاسباں ہوگا، چنانچہ اِس کے بعد میرے والد کو میری تعلیم کے سلسلے میں انتہائی خواہش پیدا ہو گئی تھی جبکہ میں ابھی چھوٹا سا بچّہ تھا۔"

شیوخ و اساتذہ

ابنِ جریرؒ کے شیوخ و اساتذہ کے بارے میں مختلف مشہور و ممتاز کتب میں جن حضرات کا ذکر ملتا ہے

لہ معجم الادباء جلد ۱۸ ص۴۸ نیز تاریخ بغداد ج ۲ ۲ہ تاریخ بغداد ج ۲، معجم الادباء ج ۱۸، الفہرست ج ۱، طبقات الشافعیہ جلد ۲، وفیات الاعیان، میزان الاعتدال، لسان المیزان، تاریخ التشریع الاسلامی وغیرہا

اُن میں حسب ذیل مشہور ہیں۔ محمد بن حمید الرازی مثنیؒ بن ابراہیم الابلی، محمد بن عبد الملک بن ابی الشوارب اسحاق بن ابی اسرائیل، احمد بن منیع البغوی، ابو ہمام ولید بن شجاع، ابوکریب محمدؒ بن العلاء یعقوب بن ابراہیم الدورقی، احمد بن حماد الدولابی، اسمٰعیل بن موسیٰ الغزاری، ابو جریج، عمر بن علی، محمد بن بشّار، محمد بن المثنیؒ، یُونس بن عبد الاعلیٰ، عبّاد بن یعقوب، عبید اللہ بن اسمٰعیل الھباری، بشر بن معاذ العقدی، ربیع بن سلیمان، حسن بن محمد الزعفرانی وغیرہم۔

تلامذہ و مقلّدین

جس طرحؒ ابنِ جریر کے اساتذہ کی کثیر تعداد کا پتہ چلتا ہے۔ اِسی طرح یقیناً اُن کے تلامذہ کی فہرست بھی طویل ہو گی، لیکن اس سلسلے میں بھی مختلف مشہور کتب میں جو نام مل سکے ہیں۔ اُن میں سے مشہور حسب ذیل ہیں۔ قاضی ابوبکر احمد بن کامل، عبد العزیز بن محمد الطّبری، محمدؒ بن عبد اللہ الشافعی علی بن عبد العزیز بن محمد الدّولابی، ابوبکر محمد بن احمد بن محمد بن الثلج الکاتب ابوعمرو ابن حمدان، ابوشعیب الحرانی، عبد الغفار الحصیبی، مخلّد بن جعفر، ابوالحسن احمد بن یحیٰی المنجم المتکلّم، ابوالحسن الدقیقی۔ ابوالفرخ المعافی بن زکریا النہروانی، ابوالقاسم ابن العراد، ابواسحاق ابراہیم بن حبیب السقطی وغیرہم

علمائے ہمعصر

اُن کے اساتذہ اور تلامذہ کے علاوہ جن عُلما و فضلاء کو ابنِ جریر کی ہمعصری کا شرف حاصل ہُوا یا جن کی ہمعصری کا شرف خود ابنِ جریر کو نصیب ہُوا اُن سب کی تعداد تو ناقابلِ شمار ہو گی، لیکن یہاں اُن میں سے مشہور حضرات کا ذکر کافی ہو گا، چنانچہ اُن میں سے چند ایک کے اسمائے گرامی ملاحظہ ہوں۔

امام ابوعبد اللہ احمد بن حنبلؒ، ابو حاتم سجستانی، ابوالفرج الاصفہانی، محمدؒ بن اسحاق بن خزیمہ، محمد بن نصر المروزی، محمدؒ بن ہارون الرویانی، سہل بن احمد الدیباجی، احمد بن عیسیٰ العلوی، ابوالحسن علی بن سراج المصری، ابوالقاسم حسین بن حبیش الوراق، ابوبکر بن مجاہد، ابوعبد اللہ ابن احمد الفرغانی، ابوالعباس

لہ لے تاریخ بغداد ج ۲ معجم الادباء ج ۱۸، الفہرست ج ۱، طبقات الشافعیہ ج ۲، وفیات الاعیان، میزان الاعتدال، لسان المیزان، تاریخ التشریع الاسلامی وغیرہا۔

احمد بن یحییٰ الثعلب، عبّاس بن حسن الوزیر ابو معبد عثمان بن احمد الدینوری وغیرہم

ابنِ جریر کے اساتذہ، تلامذہ اور معاصرین کا ذکر ابتداء میں اس لیے ضروری سمجھا گیا ہے تاکہ ان میں آئندہ حالات میں جس کسی کا ذکر آئے تو اُسے جاننے اور سمجھنے میں نسبتاً آسانی پیدا ہو سکے۔

طلبِ علم

ایامِ طفولیت کے ذکر میں ابن جریر کی اپنی زبانی ایک روایت سے معلوم ہو چکا ہے کہ انھوں نے سات برس کی عمر تک قرآنِ حکیم طبرستان میں ہی حفظ کر لیا تھا اور نو برس کی عمر میں احادیث لکھنا شروع کر دی تھیں۔ اُن کے تذکرہ نگاروں کی روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ جب وہ علم کی تلاش میں اپنے شہر سے نکلے تو اُن کی عمر صرف بارہ برس تھی اور یہ واقعہ ۲۳۶ھ کا ہے

ابنِ جریر کے حصولِ علم سے متعلق ابو بکر بن کامل کی حسبِ ذیل روایت بہت حد تک معلومات افزا ہے۔ جسے یاقوت رومی نے نقل کیا ہے۔ آغازِ کار میں تو اُنھوں نے اپنے شہر میں ہی حدیث کا علم حاصل کیا۔ پھر اس مقصد کے لیے علاقۂ رے اور اس کے مضافات میں گئے۔ اور وہاں کے اساتذہ و شیوخ سے اس علم میں اضافہ کیا جن میں سے محمد بن حمید الرازی، مثنّیٰ بن ابراہیم الابلّی اور ان دونوں کے علاوہ دیگر چند اساتذہ زیادہ مشہور ہیں۔

ابو جعفر[۲] نے کہا۔ "ہم محمد بن حمید الرازی کے پاس جا کر احادیث لکھا کرتے تھے۔ وہ رات کو کئی کئی بار ہمارے پاس تشریف لاتے اور جو کچھ ہم نے لکھا ہوتا۔ اُس کے بارے میں ہم سے دریافت کرتے اور پھر ہمیں خود پڑھ کر سنایا کرتے تھے۔

"ہم احمد[۳] بن حماد الدولابی کے پاس بھی جایا کرتے تھے اور وہ رے کی بستیوں میں سے ایک بستی میں رہائش پذیر تھے۔ اُن کی رہائش گاہ اور رے کے درمیان ایک میدان تھا۔ ہم یہاں سے احادیث لکھوا کر فراغت کے بعد دیوانوں کی طرح بھاگتے۔ یہاں تک کہ محمد بن حمید الرازی کے مکان تک پہنچ جاتے اور پھر اُن کی مجلس میں شامل ہو جاتے تھے۔"

---

[۱] تاریخ بغداد جلد ۲ [۲] معجم الادباء جلد ۱۸ ص ۴۹

[۳] معجم الادباء جلد ۱۸ ص ۵۰

ابوجعفر کی اپنی زبانی بیان کردہ اِس روایت سے ظاہر ہوتا ہے کہ اُنھوں نے کس ذوق و شوق اور جہد و محنت سے علم حاصل کیا۔ علم کی راہ میں اُن کی تلاش و کوشش یہیں تک محدود نہیں تھی بلکہ اِس سلسلے میں اُن کی ہمّت و محنت بیشتر علاقوں کو محیط ہے۔

علّامہ[1] ابو نصر سبکی نے اُن کے بارے میں اپنی کتاب میں لکھا ہے۔

طَوَّفَ الْاَقَالِيْمَ لِطَلَبِ الْعِلْمِ۔ کہ اُنھوں نے علم کی تلاش میں کئی سلطنتوں کا چکّر لگایا۔ اِس سے یہ اندازہ کرنا مشکل نہیں کہ اُنھوں نے اِس مقصد کے لیے سفر کی کس قدر سختیوں اور صعوبتوں کو نظر انداز کر دیا ہوگا اور علم کے شوق کی بدولت اُن کو خندہ روئی اور کشادہ پیشانی سے برداشت کرتے رہے ہوں گے۔

تصنیف و تالیف

ابنِ جریر علومِ اسلامیہ کے بہت بڑے خادم اور اُمّتِ مسلمہ کے مخدوم تھے۔ تفسیر، حدیث، فقہ، کلام، تصوّف، تاریخ، صرف، نحو، ادب، معانی، منطق، حساب، جبر و مقابلہ، طب وغیرہ میں اُن کو بہرۂ وافر عطا ہُوا تھا

خصوصًا تفسیر، تاریخ اور حدیث میں تو اُن کو کمال کی حد تک بلند مقام حاصل ہے۔ خطیب بغدادی نے کہا ہے[2]

"مَیں نے علی بن عبید اللہ (ابوسعد سمعانی) کو یہ بیان کرتے ہُوئے سُنا ہے کہ "محمّد بن جریر چالیس ورق روزانہ کے حساب سے چالیس برس تک تصنیف و تالیف کا کام کرتے رہے"۔

"اِس کے علاوہ[3] اُن کے ایک شاگرد ابو محمّد الفرغانی نے کہا ہے کہ ابوجعفر کے شاگردوں نے اُن کے سنِّ بلوغت سے لے کر زمانۂ وفات تک کل مُدّت کو شمار کیا اور اس پر ان کی جملہ تصنیفات کے اوراق کو تقسیم کیا تو ہر روز کے لیے چودہ ورق ہُوئے"۔

چنانچہ اُنھوں نے اپنی زندگی میں مختلف علوم و فنون پر کئی کتابیں لکھی ہیں، لیکن اُن میں سے آج

---

[1] طبقات الشافعیہ ج ۲ ص ۱۳۵
[2] تاریخ بغداد جلد ۲ ص ۱۶۳
[3] معجم الادباء جلد ۱۸ ص ۴۴

بیشتر نایاب ہیں اور اُن کے تذکرہ نگاروں کی کُتب میں اُن کتابوں کے صرف نام ہی رہ گئے ہیں۔ اِس سلسلے میں عربی ادب کی مختلف کتابوں میں جن کا تذکرہ ملتا ہے۔ اُن کے نام حسبِ ذیل ہیں۔[1]

۱۔ کتاب بسیط القول فی احکام شرائع الاسلام

۲۔ جامع البیان عن تاویلِ آی القرآن

۳۔ تاریخ الرسل والانبیاء والملوک والخلفاء

۴۔ تاریخ الرجال من الاصحاب والتابعین

۵۔ کتاب القراءات وتنزیل القرآن

۶۔ کتاب لطیف القول فی شرائع الاسلام

۷۔ کتاب خفیف القول فی شرائع الاسلام

۸۔ کتاب اختلاف علماء الامصار

۹۔ کتاب التبصیر فی اصول الدین

۱۰۔ کتاب الموجز فی الاصول

۱۱۔ الآثار الباقیۃ عن قرون الخالیۃ

۱۲۔ کتاب تہذیب الآثار فی الحدیث

۱۳۔ کتاب الاعتقاد

کہتے ہیں کہ ابنِ جریر نے کل بائیس کتابیں لکھیں جن میں سے آج کئی کتابوں کے نام بھی معلوم نہیں ہیں۔ عبدالعزیز[2] بن محمد الطبری نے کہا ہے۔ میرے پاس ایک کتاب آئی جو تیر اندازی کے موضوع پر تھی اور ابنِ جریر کے نام سے منسوب تھی۔ مجھے اس سلسلے میں کچھ معلوم نہیں، میرا خیال ہے کہ یہ کتاب یُونہی غلط طور پر اُن کے نام سے منسوب ہو کر رہ گئی ہے۔

ابنِ جریر نے اِن مذکورہ بالا کتابوں کے علاوہ اور جو کتابیں لکھی ہیں اُن کی تفصیلات معلوم نہیں ہو سکیں، اُن کے تذکرہ نگاروں نے صرف اُن کی مشہور کتابوں کا ذکر کیا ہے جن میں سے ان کی کتاب تفسیر

---

[1] مختلف کتب مثلاً تاریخ بغداد، معجم الادباء وفیات الاعیان میزان الاعتدال، لسان المیزان، الفہرست [illegible] الاسلامی وغیرہا۔　[2] معجم الادباء جلد ۱۸ ص ۸۱

اور کتابِ تاریخ دونوں کو خاص طور پر ممتاز مقام اور آفاق گیر شہرت و مقبولیت حاصل ہے۔

علم و فضیلت

ابنِ جریر ایک ایسی ہمہ گیر اور بے مثال علمی شخصیت کے حامل ہیں کہ انھوں نے شاید ہی علم کی کسی شاخ کو نظر انداز کیا ہو اور اُس میں اُنھوں نے اپنا کچھ نہ کچھ حصّہ ادا نہ کیا ہو۔ ورنہ تقریباً ہر ضروری موضوع پر اُنھوں نے جامع و مانع کُتب مرتّب کی ہیں۔

اُن کی مفسّرانہ، محدّثانہ، فقیہانہ اور مؤرخانہ حیثیات تو مسلّمہ ہیں، لیکن اِن کے علاوہ قرات، شعر، عروض، طب، مناظرہ، نحو، لغت، ریاضی وغیرہ میں بھی اُن کی قابلِ قدر خدمات ہیں۔

ابوبکر خطیب بغدادی نے تاریخ بغداد میں ابن جریر کے ذکر میں لکھا ہے۔

"ابو جعفر الطبری المحدّث الفقیہ المقری المؤرخ المعروف المشہور ...[1]

اِس عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ حدیث، فقہ، قرات اور تاریخ کے مشہور و معروف عالم تھے۔

ابو علی حسن بن علی الاھوازی نے اپنی کتاب الاقناع فی احدی عشرۃ قراءۃ میں بیان کیا ہے۔

"کان ابوجعفر الطبری عالمًا بالفقہِ والحدیث والتفسیر والنحو واللغۃِ والعروض، لہٗ فی جمیع ذالک تصانیف فاق بھا علی سائر المصنّفین ...[2]

کہ ابوجعفر الطبری فقہ، حدیث، تفسیر، نحو، لغت اور عروض کے عالم تھے۔ ان جملہ فنون اور علوم میں اُن کی تصانیف ہیں۔ جن میں وہ دیگر تمام مصنّفین پر فوقیت لے گئے ہیں۔

ابوبکر خطیب نے اُن کے بارے میں ایک اور جگہ لکھا ہے۔

---

[1] تاریخ بغداد جلد ۲

[2] الاقناع بحوالہ تاریخ بغداد جلد ۲ ص۱۶۲

"وکانَ[1] احدائمّۃ العلماءِ یحکم بقولہ ویرجع اِلیٰ رأیہٖ لمعرِفتِہٖ وفضلِہٖ وکان قدجمع من العلومِ مالم یشارکہٗ فیہ احدٌ مِن اھلِ عصرہٖ..."

کہ وہ عُلماء کے اماموں میں سے ایک تھے۔ اُن کے قول کے مطابق فیصلے دیے جاتے تھے اور اُن کے علم اور فضیلت کی وجہ سے اُن کی رائے کی طرف رجوع کیا جاتا تھا۔ اُنھوں نے اِس قدر علوم جمع کر لیے تھے کہ اُن کے اہلِ عصر میں سے کوئی بھی اُن کا ثانی نہ تھا۔

اُن کی علمیّت کے بارے میں "معجم الادباء" میں ایک جگہ ابو محمّد عبدالعزیز بن محمّد الطبری کا حسبِ ذیل قول ہے۔

"کانَ[2] ابوجعفر من الفضلِ والعلمِ والذکاءِ والحفظِ علی مالا یجھلہٗ احدٌ عرفہ لجمعہٖ من علوم الاسلامِ مالم نعلمہٗ اجتمع لاحدٍ من ھٰذہِ الْاُمّۃِ ولاظھر من کتب المصنّفین وانتشر من کتب المؤلّفین ما انتشر لہ، وکان راجحا فی علومِ القرآن والقراءات وعلمِ التاریخ من الرّسل والخلفاء والملوک واختلاف الفقھاءِ

کہ ابوجعفر علم وفضل اور ذہانت وحافظہ میں ایسے مقام پر فائز تھے کہ کوئی شخص جو اُن کو علومِ اسلام کے جامع کی حیثیّت سے جانتا ہے اِس مقام سے ناواقف نہیں ہے۔ ہم اس اُمّت میں سے کسی اور ایسے شخص کو نہیں جانتے جس کی ذات میں بیک وقت یہ سب علوم جمع ہو گئے ہوں اور نہ ہی مصنّفین و مؤلّفین کی کتابوں کو وہ مقامِ شہرت حاصل ہُوا جو اُن کو نصیب ہُوا۔ وہ علومِ قرآن، قراءت، رسولوں، خلیفوں اور بادشاہوں کی تاریخ کے علم اور فقہاء کے اختلاف کے سلسلے میں قابلِ ترجیح سمجھے جاتے تھے۔

مندرجہ بالا عبارات سے مجموعی طور پر تفسیر، حدیث، فقہ، تاریخ وغیرہ میں ابن جریر کی عظمت وفضیلت کا اعتراف ظاہر ہے۔

---

[1] تاریخ بغداد جلد ۲ ص ۱۶۳
[2] معجم الادباء جلد ۱۸ ص ۵۹

اعداء ومخالفین

ابنِ جریر[1] ایک عرصہ تک حصولِ علم اور کسبِ کمالات کے بعد اپنے وطنِ مالوف طبرستان واپس آئے لیکن قدرت کو یہاں اُن کا قیام منظور نہ تھا۔ جب وہ شہر میں داخل ہوئے تو دیکھا کہ یہاں رفض و تشیع کا فتنہ پھیل چکا ہے اور صحابہ کرام پر سبّ وشتم کا سلسلہ جاری ہے۔ چنانچہ ابن جریر نے اس موقع پر اپنے عالمانہ منصب کو محسوس کیا اور حضرت شیخین (ابوبکرؓ وعمرؓ) کے فضائل ومناقب بیان کیے انجامِ کار سلطانِ شہر اُن کا مخالف ہوگیا اور وہ ترکِ وطن پر مجبور ہو گئے۔

یاقوت[2] رومی نے لکھا ہے کہ جب وہ طبرستان سے ترکِ وطن کے بعد بغداد آئے تو ابوعبداللہ الجصاص، جعفر بن عرفہ اور البیاض نے اُن سے تعصّب وعداوت کا اظہار کیا۔ پھر حنابلہ (حضرت امام احمد بن حنبلؒ کی فقہ کے قائل) اُن کے پاس آئے اور جامع مسجد میں جمعہ کے روز آکر امام احمد بن حنبلؒ اور حدیثِ جلوس علی العرش کے بارے میں اُن کی رائے دریافت کی اور کہا کہ اُنھوں نے اپنی کتاب اختلاف الفقہاء میں امام احمد بن حنبلؒ کا ذکر کیوں نہیں کیا؟ اس پر ابنِ جریر نے جواب دیا۔

"لم یکن[3] فقیھًا و انما کان محدّثًا و أمّا حدیث الجلوس علی العرش فمحال

کہ وہ (امام احمد بن حنبلؒ) فقیہ نہ تھے، وہ تو محدّث تھے اور جہاں تک جلوس علی العرش کی حدیث کا تعلّق ہے تو وہ محال ہے۔ پھر اُنھوں نے حسبِ ذیل شعر پڑھا:

سُبْحَانَ مَنْ لَیْسَ لَهٗ اَنِیْسٌ وَلَا لَهٗ فِیْ عَرْشِهٖ جَلِیْسٌ

جب حنابلہ[4] اور اصحاب حدیث نے اُن سے یہ کچھ سُنا تو وہ اُن پر ٹوٹ پڑے اور اُن پر اپنی دواتیں پھینکیں۔ کہا گیا ہے کہ وہ لوگ ہزاروں کی تعداد میں تھے۔ ابوجعفر خود ہی وہاں سے اُٹھے اور اپنے گھر میں داخل ہوگئے۔ پھر اُن لوگوں نے اُن کے گھر پر پتھر پھینکے۔ یہاں تک کہ اُن کے دروازے پر ایک بڑا ٹیلا سا بن گیا۔ یہ صورتِ حال سُن کر صاحبِ شرطہ (پولیس انسپکٹر) نازوک آیا تاکہ عوام کو منع کرے، وہ اس روز رات تک اُن کے دروازے پر ٹھہرا رہا اور سپاہیوں کو

---

[1] معجم الادباء جلد ۱۸ ص ۸۵ [2] معجم الادباء جلد ۱۸ ص ۵۷

[3] معجم الادباء جلد ۱۸ ص ۵۷ [4] معجم الادباء جلد ۱۸ ص ۵۸

وہاں سے پتھّر ہٹانے کا حکم دیا۔ اُن کے دروازے پر وہی شعر لکھا ہوا تھا جو اُنھوں نے حنابلہ کے سامنے پڑھا تھا۔ نازوک نے حکم دیا کہ اِس شعر کو مٹا دیا جائے۔ پھر اصحابِ حدیث میں سے کوئی شخص اِس شعر کی جگہ پر یہ اشعار لکھ گیا۔

لِاَحْمَدَ مَنْزِلٌ لَا شك عَالٍ　　اِذَا وَافیٰ الیٰ الرّحْمٰنِ وَافِد
فیدنیه وَ یُقعِدُہٗ کریمًا　　عَلیٰ رَغمٍ لَهُمْ فِیْ اَنفِ حَاسِد
عَلیٰ عَرْشٍ یغلفه بطیبٍ　　عَلَی الْاَکْبَادِ مِنْ بَاغٍ وَعَانِد
لَہٗ هٰذَا الْمَقَام الفرد حقًّا　　کَذَاكَ رَوَاهُ لیث عن مجاهِد

جن لوگوں نے اس اندھا دھند طریق پر ابن جریر کی مخالفت میں مظاہرے کیے اُن میں اہلِ علم تو کم ہی تھے، لیکن ایسے لوگوں کی اکثریت ساتھ ہو گئی تھی جو علم و عقل سے یکسر بے بہرہ تھے اور مسائل کی نوعیّت اور ابنِ جریر کے علمی مقام کو ہرگز نہ سمجھتے تھے۔

جرجی زیدان نے لکھا ہے کہ اُن پر الحاد کا اتّہام باندھا گیا۔ اِس سلسلے میں عوام نے بھی حنابلہ کا ساتھ دیا۔ وہ عوام جن سے اگر پوچھا جاتا کہ الحاد کیا ہے تو وہ اُس کے بارے میں ہرگز کچھ نہ بتا سکتے۔[۱]

پھر جرجی نے ابنِ جریر کے عزم و استقلال کے بارے میں لکھا ہے:

وکانَ[۲] حرّ الفکر، صریحَ القولِ اِذا اعتقد أمرًا جاهد به لا یخشی فی الحقّ لومةَ لائمٍ

کہ وہ "آزادفکر" اور "واضح گفتار" آدمی تھے۔ جب وہ کسی بات پر اعتقاد رکھتے تو اُسے برملا کہتے۔ وہ حق کے سلسلے میں کسی ملامت گر کی ——— ملامت سے خائف نہ تھے۔ اُن کے شاگرد ابو محمد الفرغانی کا قول بھی یہی ہے۔ اُنھوں نے کہا ہے۔

"ابن جریرؒ[۳] خدا کے راستے میں کسی ملامت گر کی ملامت کی پروا نہیں کرتے تھے خواہ وہ اُن کے حق میں کسی قدر بڑی مصیبت کا باعث ہی کیوں نہ ہو۔ اُنھیں کسی جاہل، حاسد یا ملحد کی تکلیف رسانی کا کوئی خوف نہ تھا۔

---

[۱] المختصر فی تاریخ آداب اللّغتہ العربیّہ　　[۲] ایضًا المختصر فی تاریخ آداب اللّغتہ العربیہ

[۳] معجم الادباء جلد ۱۸

(بقیہ بر صفحہ ۵۸)

الحاج سید امین گیلانی

مِری توبہ

آپ کا ہوں میں گنہگار مِری توبہ ہے
توبہ توبہ مِری، سو بار مِری توبہ ہے

آپ کی بات کا انکار مِری توبہ ہے
آپ کا بندہ ہوں، سرکار مِری توبہ ہے

میں کوئی عذر کروں، میری کہاں اتنی مجال
برسرِ برزن و بازار، مِری توبہ ہے

میں گنہگار ہوں یہ آپ نے سچ فرمایا
واقعی ہوں، میں گنہگار مِری توبہ ہے

میں تو حیران ہوں، تجھے دیکھ کے میخانے میں
وا۔ تو بھی ہے میخوار، مِری توبہ ہے

توبہ توبہ اکرے توبہ بھی جو توڑوں توبہ
بڑی دانا، بڑی ہشیار، مِری توبہ ہے

حشر میں کام مِرے آئے گی انشاءاللہ
تم سمجھتے ہو، کہ بیکار، مِری توبہ ہے

ٹوٹنے دیتی نہیں میرا خدا سے رشتہ
مجھ سے اِتنا ہے جسے پیار مِری توبہ ہے

اِس نے سمجھائے مجھے معنیِ توّاب و رحیم
دین میں مجھ سے سمجھ دار مِری توبہ ہے

لے چلے تھے مِرے عصیاں مجھے دوزخ کی طرف
بن گئی آکے جو دیوار، مِری توبہ ہے

کون ہے وہ جو جگاتی ہے مجھے راتوں کو
خود بھی رہتی ہے جو بیدار مِری توبہ ہے

لے گئے تھے سوئے اشرار مجھے میرے گناہ
لے، جو آئی سوئے اخیار، مِری توبہ ہے

جس سے کر دیتا ہوں ابلیس کو زخمی زخمی
وہ مِرے ہاتھ میں تلوار، مِری توبہ ہے

بحرِ عصیاں میں اگرچہ ہے سفینہ میرا
جو لگا دے گی مجھے پار، مِری توبہ ہے

خس و خاشاکِ گنہہ میرے بہادے گی امینؔ
مینہ کی مانند، لگاتار مِری توبہ ہے

وَفیَات

گزشتہ ماہ ۱۳ر فروری کو جامعۃ الاسلامیہ امدادیہ فیصل آباد کے مہتمم جناب مولانا نذیر احمد صاحب مدظلہم کے منجھلے صاحبزادے مفتی مجاہد صاحب کو نامعلوم موٹر سائیکل سواروں نے بے دردی سے شہید کر دیا اِنّا للّٰہ واِنّا الیہ راجعون مفتی مجاہد صاحب فیصل آباد کی ایک مسجد سے جمعہ پڑھا کر رکشہ میں اپنے گھر واپس جارہے تھے کہ پہلے سے گھات لگائے دہشت گردوں نے فائرنگ کر دی جس سے مولانا ایک طالب علم اور رکشہ ڈرائیور شہید ہوگئے۔ خدام جامعہ اس حادثہ پر مولانا نذیر احمد صاحب کی خدمت میں تعزیّت پیش کرتے ہیں اور اس حادثہ کو اپنا نقصان تصوّر کرتے ہیں اور دہشت گردی کی بزدلانہ کارروائی کی شدید مذمت کرتے ہُوئے حکومت سے مطالبہ کرتے ہیں کہ وہ قاتلوں کی گرفتاری میں خصوصی دلچسپی لے تاکہ علمائے اسلام کے مسلسل قتل کیے جانے کے واقعات کی سرکوبی کی جاسکے۔ اللہ تعالیٰ مولانا مجاہد صاحب اور اُن کے دیگر ساتھیوں کی مغفرت فرماکر اپنے ہاں بلند درجات عطا فرمائے مرحوم کے والدین اور بیوہ کو صبرِ جمیل عطا فرمائے۔ اُن کے بچّوں کی کفالت فرمائے۔ آمین

۱۲ر فروری کو جامعہ کے ابتدائی درجہ کے مدرس مولوی شاہ صاحب کی والدہ صاحبہ طویل علالت کے بعد وفات پاگئیں اِنّا للّٰہ واِنّا الیہ راجعون دُعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مرحومہ کی مغفرت فرمائے اور اُن کے پسماندگان کو صبرِ جمیل کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

جملہ مرحومین کے لیے جامعہ میں ایصالِ ثواب کیا گیا۔ اللہ تعالیٰ قبول فرمائے۔

(قسط: ۱)

اُصولِ بدعت

کتاب "اُصولِ دین" کا ایک باب

ترتیب: مولانا ڈاکٹر عبدالواحد صاحب

بدعت کا لغوی معنی

امام نووی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: کل شئ عمل علی غیر مثال سابق (یعنی ہر وہ چیز جو کسی سابق نمونے کے بغیر کی جائے) شرح مسلم

حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں۔ وکذلک کل محدث قولا أو فعلا لم یتقدم فیہ متقدم فان العرب تسمیہ مبتدعا۔

ترجمہ۔ اور اسی طرح ہر وہ قول یا فعل جس کو پہلے کسی نے نہ کیا ہو اہلِ عرب اس کو بدعت کہتے ہیں۔

اسی سے بدیع کا لفظ بھی ہے اور بدیع السمٰوٰت والارض کا یہ مطلب ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کاملہ سے بغیر کسی سابق مثال اور نمونے کے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا۔

بدعت کا شرعی معنی

علامہ عینی رحمہ اللہ لکھتے ہیں۔ البدعۃ فی الاصل احداث امر لم یکن فی زمن رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلم۔ بدعت اصل میں ایسی نو ایجاد چیز کو کہتے ہیں جو آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کے زمانہ میں نہ تھی۔

علّامہ مرتضیٰ زبیدی کہتے ہیں۔ کل محدثۃ بدعۃ انما یرید ماخالف اصول الشریعۃ ولم یوافق السنۃ

کل محدثۃ بدعۃ (کی حدیث) کا معنی یہ ہے کہ جو چیز اُصول شریعت کے خلاف ہو اور

سُنّت کے موافق نہ ہو۔ غرض" بدعت ان چیزوں کو کہتے ہیں جن کی اصل شریعت سے ثابت نہ ہو، یعنی قرآن اور حدیث میں اس کا ثبوت نہ ملے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم اور صحابہ کرام اور تابعین اور تبع تابعین کے زمانہ میں اس کا وجود نہ ہو اور اسے دین کا کام سمجھ کر کیا جائے یا چھوڑا جائے۔"
(تعلیم الاسلام حصّہ چہارم)

تنبیہ۔ بدعت کی تعریف میں دین کی قید ضروری ہے اور علم (عقیدہ) عمل اور حال سبب اس میں شامل ہیں یعنی جو عقیدہ یا عمل یا حال کتاب وسنّت اجماع وقیاس شرعی کے تحت مندرج نہ ہو وہ بدعت ہے۔

اس بارے میں جو حدیث اصل ہے وہ یہ ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا" من احدث فی امرنا هذا مالیس منه فهورد"۔
(ترجمہ: جس نے ہمارے دین میں ایسی بات ایجاد کی جو دین کی نہیں ہے تو وہ مردود ہے)

بدعت کی جو مختلف تعریفیں منقول ہیں ان میں تعارض نہیں محض عنوان کا اختلاف ہے

بدعت شرعی کی تعریف بعض نے یہ لکھی ہے کہ بدعت وہ محدث فی الدین ہے۔ (یعنی دین کے اندر نئی پیدا شدہ چیز ہے) جو رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کے زمانے میں موجود نہ ہو یعنی نہ تو قولاً نہ فعلاً نہ تقریراً اور نہ صراحتاً نہ اشارۃً۔ پس ظاہر ہے کہ جب نبی صلّی اللہ علیہ وسلّم کے دَور میں اس کے جواز کی کوئی شرعی دلیل موجود نہیں تو خلفائے راشدین، صحابہ، تابعین اور تبع تابعین کے دَور میں دلیل جواز مفقود ہی رہے گی اور نتیجۃً ان کے ادوار میں اس شئے کا وجود خارجی بھی نہ ہوگا۔ بایں معنی کہ اس کا رواج ہو اور اس پر نکیر نہ ہو۔

اس سے معلوم ہوا کہ صحابہ کے دَور میں بالعموم اور خلفائے راشدین کے دَور میں بالخصوص جو بعض امور شائع اور ظاہر ہوئے۔ مثلاً جمعہ کی پہلی اذان اور تراویح کی نماز باجماعت مستقل طور سے اور فجر کی نماز کے لیے تثویب حالانکہ نبی صلّی اللہ علیہ وسلّم کے دَور میں اُن کا ظہور نہ ہُوا تھا تو اس کی وجہ یہ تھی کہ نبی صلّی اللہ علیہ وسلّم کے دور ہی میں اُن کے جواز کی دلیل قائم تھی اور موجود تھی اور جب ضرورت پیش

آئی تواسی دلیل کی بنا پر ان کا وجود ظاہر میں واقع ہُوا۔

بدعت حسنہ اور بدعت سیئہ کی تحقیق

اُوپر جو بدعت کے لغوی اور شرعی معنی تحریر ہُوئے ان سے معلوم ہُوا کہ

بدعت لغت میں امر جدید کو کہتے ہیں اور کتب شریعت میں جو اس لفظ کا استعمال ہوتا ہے تو

۱۔ کسی جگہ تو اس کے یہ معنی لیتے ہیں کہ جو امر نبی صلّی اللہ علیہ وسلّم کے بعد وجود میں آیا ہو خواہ وہ قابلِ تعریف ہو یا قابلِ مذمت ہو۔ یعنی اس کے جواز کی دلیل شرع میں موجود ہو یا نہ ہو۔ پس اس کی دو قسمیں کرتے ہیں۔ قسم اوّل قابلِ تعریف کہ جس کے جواز کی دلیل شرع میں موجود ہو۔ دوسری قسم قابلِ مذمّت کہ اس کے جواز کی دلیل شرع میں نہ ہو۔ پس قسم اوّل کو بدعت حسنہ نام دیتے ہیں اور اس کو سُنّت کے ساتھ ملحق جانتے ہیں اور دوسری قسم کو بدعت ضلالہ کہتے ہیں۔ بدعت کا یہ معنی عام ہے۔

۲۔ اور کسی جگہ بدعت کے معنی یہ ہوتے ہیں کہ جو امر شریعت کے طریقہ کے خلاف ہو یعنی اس کے جواز کی دلیل شریعت میں نہ ہو۔ بدعت کا یہ معنی خاص ہے اور کتب شریعہ میں اسی سے بحث ہوتی ہے۔

یہ دونوں استعمال درست ہیں اور ان میں کسی کا اختلاف نہیں۔ صرف بیان کا فرق ہے مراد میں کوئی فرق نہیں۔ جو بدعت کو ہر حال میں قابلِ مذمّت کہتے ہیں وہ بدعت کا معنی خاص لیتے ہیں اور جو عُلماء حسنہ اور سیئہ کی تفریق کرتے ہیں۔ وہ معنی عام لیتے ہیں۔

بدعت و سُنّت کو پہچاننے کا ایک قاعدہ کلیہ

خیر القرون کے بعد جو چیزیں ایجاد کی گئی ہیں ان کی دو قسمیں ہیں۔

ایک تو وہ کہ ان کا سببِ داعی بھی جدید ہے اور اس پر ایک مامور بہ کو پُورا کرنا بھی موقوف ہے کہ بغیر اس کے اس مامور بہ پر عمل نہیں ہوسکتا ہے جیسے کتب دینیہ کی تصنیف اور تدوین، مدرسوں اور خانقاہوں کی تعمیر کہ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کے زمانہ میں ان میں سے کوئی شے نہ تھی۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ یہ سب کو معلوم ہے کہ دین کی حفاظت سب کے ذمّہ ضروری ہے

لیکن خیر القرون میں ان مذکورہ جدید ذرائع اور واسطوں کی ضرورت نہ تھی۔ کیونکہ تعلق مع اللہ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت سے مشرف تھے اور قوت حافظہ اس قدر تھی کہ جو کچھ سنتے تھے وہ سب نقش کالحجر ہوجاتا تھا۔ فہم بھی عالی تھا اور پرہیزگاری اور دینداری بھی غالب تھی۔ پھر وہ زمانہ آیا جس میں قوتیں کمزور ہونے لگیں۔ اہل ہوا اور عقل پرستوں کا غلبہ ہونے لگا اور دینداری مغلوب ہونے لگی۔ پس اس وقت علماء اُمت کو دین کے ضائع ہونے کا قوی اندیشہ ہُوا اور دین کی حفاظت کی خاطر ضروری ہوا کہ دین کی تمام باتوں کی تدوین کی جائے، چنانچہ حدیث، اُصول حدیث، فقہ، اُصول فقہ اور تفسیر و عقائد میں کتابیں تصنیف ہُوئیں اور ان کی تدریس کے لیے مدارس تعمیر کیے گئے۔ پس یہ چیزیں وہ ہیں کہ اُن کا سبب خیر القرون میں موجود نہ تھا بلکہ بعد میں پیدا ہُوا۔ اور دین کی حفاظت جو کہ مامور بہ ہے وہ ان پر موقوف ہے۔ غرض یہ چیزیں اگرچہ جدید ہیں، لیکن واقعہ میں بدعت نہیں بلکہ حسب قاعدہ مقدمۃ الواجب واجب (وہ شے جس پر کوئی واجب موقوف ہو خود بھی واجب ہوجاتی ہے) یہ چیزیں بھی خود واجب ہیں۔

دوسری قسم وہ چیزیں ہیں جن کا سبب قدیم ہے جیسے مروجہ محفل میلاد اور تیجہ دسواں چہلم وغیرہ کہ ان کا سبب قدیم ہے مثلاً مجلس میلاد کے منعقد کرنے کا سبب ولادت نبویہ پر خوشی کرنا ہے اور یہ سبب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں بھی موجود تھا۔ لیکن نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یا صحابہ نے مروجہ مجالس جیسی مجالس منعقد نہیں کیں۔ اگر سبب اس کا اس وقت نہ ہوتا تو البتہ یہ کہہ سکتے تھے کہ اس کا منشا اس وقت موجود نہ تھا، لیکن جبکہ سبب اور مدار موجود تھا پھر کیا وجہ ہے کہ نہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی مجلس میلاد منعقد کی اور نہ صحابہ رضی اللہ عنہم نے۔ ایسی چیزوں کا حکم یہ ہے کہ وہ صورت اور معنی دونوں اعتبار سے بدعت ہیں اور حدیث من احدث فی امرنا ھذا ما لیس منہ میں داخل ہوکر واجب الرد ہیں

بدعت کی صورتیں

پہلی صورت خود وہ شے اپنی ذات کے اعتبار سے ناجائز اور بدعت ہو۔

مثلاً بارہ ربیع الاوّل اور شب برات کے موقع پر چراغاں کرنا۔ تعزیہ بنانا اور نکالنا اور قبروں پر قبے بنانا وغیرہ۔ اور عقائد میں گمراہ فرقوں کے اہل سُنّت سے مختلف عقائد مثلاً معتزلہ کا عقیدہ کہ انسان

اپنے اعمال کا خود خالق ہے۔ ان کا یہ عقیدہ کہ آخرت میں رویت باری تعالیٰ ممکن نہیں اور یہ کہ مرتکب کبیرہ مُسلمان نہیں رہتا بدعات ہیں۔

دوسری صورت شئے اصل کے اعتبار سے تو جائز ہو، لیکن اس میں اپنی طرف سے کسی وصف یا قید کا اضافہ کرنا یا اپنی طرف سے اوقات کے ساتھ متعیّن کرنا یا اس کے ساتھ شریعت کی طرف سے لگائی ہُوئی قید کو نظر انداز کرنا یہ بھی بدعات میں شامل ہیں۔

۱۔ اپنی طرف سے کسی مطلق کو مقید کرنا اور مقید کو مطلق کرنا

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے ارشاد فرمایا۔

لا تختصوا ليلة الجمعة بقيام من بين الليالى ولا تختصوا يوم الجمعة بصيام من بين الايام الا ان يكون فى صوم يصوم احدكم۔

ترجمہ: جمعہ کی رات کو دوسری راتوں سے نماز اور قیام کے لیے خاص نہ کرو اور جمعہ کے دن کو دوسرے دنوں سے روزہ کے لیے خاص نہ کرو۔ مگر ہاں اگر کوئی شخص روزے رکھتا ہے۔ (مثلاً ایام بیض یا پندرہویں شعبان کا روزہ رکھتا ہے) اور جمعہ کا دن بھی اس میں آجائے تو الگ بات ہے۔

چونکہ نبی صلّی اللہ علیہ وسلّم نے جمعہ اور نماز جمعہ کے فضائل بہت سے بیان فرمائے تھے تو خدشہ تھا کہ کوئی اپنی رائے سے روزہ نماز جیسی بنیادی عبادت میں اپنی ایجاد نہ کر بیٹھے اس لیے خود آپ نے منع فرما دیا کہ جتنے امور جمعہ اور شب جمعہ میں ہم نے فرمائے وہی اس میں افضل و سُنّت ہیں۔ اگر کوئی اس پر قیاس و اضافہ کرے گا تو وہ مقبول نہ ہوگا۔ پس اس حدیث میں ارشاد ہوا کہ تم جمعہ اور شب جمعہ کو صوم و صلوٰۃ کے واسطے خاص نہ کرو کیونکہ نفلی صوم و صلوٰۃ تمام اوقات میں یکساں ہیں۔ کسی وقت کی خصوصیّت ہمارے حکم کے بغیر دُرست نہیں۔ پس مطلق کو مقید کرنے سے منع فرما دیا جیسا کہ جن جن کاموں کے واسطے جمعہ کو مخصوص کیا ہے مثلاً نماز جمعہ اور اس کے لوازمات میں جمعہ کی تخصیص اور قید کو نظر انداز کرنا اور اطلاق پر عمل کرنا اس کو بھی منع فرما دیا ہے کہ جمعہ کی نماز اور جمعہ کا خطبہ کسی اور دن نہیں ہو سکتا۔

لہٰذا صاف واضح ہوگیا کہ یوم جمعہ اور شب جمعہ کو اس عمل میں مقید کرنا جس میں وہ مطلق ہیں اور اس عمل میں مطلق بنانا جس میں وہ مقید ہیں دونوں ممنوع ہیں اور اس حدیث میں یہ حکم ہوگیا کہ ہمارے ارشاد کے موافق سب کام کرو اپنی رائے سے تبدّل وتغیّر مت کرو، البتّہ جس کو خود شارع مستثنیٰ کردیں یا بایں طور کہ وہ کسی دوسری حدیث سے ثابت ہوجائے تو وہ خود شارع کا حکم ہے وہ تبدل و تغیّر نہیں ہے۔

نیز لا تختصوا (خاص مت کرو) یہ بھی مطلق وارد ہُوا ہے لہٰذا تخصیص خواہ اعتقاد وعلم میں ہوخواہ عمل میں دونوں ناجائز ہوں گی۔ لہٰذا یہ بھی ظاہر ہوگیا کہ قرآن وحدیث میں جو فعل مطلق ہو اس کو کسی وقت اور دن کے ساتھ مقید کرنا بدعت ہے اور جو قرآن و حدیث میں مقید وارد ہُوا ہو پھر خواہ وہ عقیدہ ہو یا عمل ہو اس کو مطلق کرنا یعنی شریعت میں وارد اس کی قید کو نظرانداز کرنا بھی بدعت ہے چونکہ یہ قاعدہ اس حدیث سے وضاحت سے مستنبط ہے اس لیے امام نووی رحمہ اللہ اس حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں۔

احتج به العلماء علی کراهة هذه الصلوٰة المبتدعة التی تسمی الرغائب قاتل الله واضعها و مخترعها فانها بدعة منکرة من البدع التی هی الضلالة والجهالة

(علماء نے اسی حدیث سے نئی ایجاد کردہ صلوٰۃ رغائب کی کراہت پر استدلال کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کے ایجاد کرنے والے اور اس کو گھڑنے والے سے لڑے کیونکہ یہ ان بری بدعات میں سے ہے جو گمراہی اور جہالت ہیں) دیکھیے نماز جو کہ بہترین اور بُنیادی عبادت ہے اور نماز کے تمام جائز اوقات میں افضل عبادت ہے۔ تخصیص کے سبب سے بدعت منکرہ ہوگئی کیونکہ جو اطلاق مشروع تھا وہ باقی نہ رہا وقت وغیرہ کی قید لگنے سے مخصوص ہوگیا تو اس قید کی وجہ سے پورا مقید بدعت بن گیا۔

امام غزالی رحمہ اللہ نے احیاء العلوم میں جو اس کی فضیلت لکھی ہے تو اس کی وجہ یہ ہُوئی کہ ان کو اس نماز (رغائب) کی فضیلت میں حدیث ملی۔ اُنھوں نے اس حدیث کو صحیح جان کر عمل کیا اور یہ سمجھے کہ خود شارع نے اس کا استثناء فرمایا۔ لہٰذا وہ معذور ہیں کیونکہ اُنھوں نے جس قاعدہ کو لیا وہ بھی تسلیم شدہ ہے مگر فقہاء اور علماء حدیث نے اس حدیث کا موضوع اور من گھڑت ہونا ثابت کردیا۔ سو حقیقت میں امام غزالی رحمہ اللہ نے مذکور قاعدہ کلیہ کا خلاف نہیں کیا بلکہ حدیث کو صحیح سمجھنے میں ان سے

غلطی ہوتی اور بشر خطا سے خالی نہیں اور حدیث کو پرکھنا بھی ہر ایک کا فن نہیں اس باب میں محدّثین ہی کا قول معتبر ہوتا ہے۔

۲۰- امرِ مستحب کو غیر مشروع ہیئت کیساتھ ادا کرنا بدعت ہے

اللہ تعالیٰ کا ذکر اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود مستحب ہے، لیکن غیر مشروع ہیئت میں اس کو کرنا بدعت ہے۔ غیر مشروع ایک ہیئت یہ ہے کہ اجتماعی صورت میں اس طریقے سے کیا جائے کہ سب ذکر کرنے والے یہ التزام کریں کہ وہ سب ایک وقت میں ایک ہی ذکر کریں گے خواہ کسی کو امیر بنا کر یا اس کے بغیر اور خواہ جہراً ہو یا سرّاً ہو۔

عن ابی البختری قال اخبر رجل عبد اللہ بن مسعود ان قوما یجلسون فی المسجد بعد المغرب فیھم رجل یقول کبروا اللہ کذا وکذا وسبحوا اللہ کذا وکذا واحمدوا اللہ کذا وکذا قال عبد اللہ فیقولون ذلك ؟ قال نعم۔ قال فاذا رأیتھم فعلوا ذلك فاتنی فاخبرنی بمجلسھم قال فاتیتہ فاخبرتہ بمجلسھم فاتاھم وعلیہ برنس لہ فجلس فلما سمع ما یقولون قام وکان رجلا حدیدا فقال انا عبد اللہ بن مسعود واللہ الذی لا الٰہ غیرہ لقد جئتم ببدعۃ ظلماء او لقد فقتم اصحاب محمّد صلّی اللہ علیہ وسلّم علمًا۔ فقال احدھم متعذرا واللہ ماجئنا ببدعۃ ظلماء ولا فقنا اصحاب محمّد صلّی اللہ علیہ وسلّم۔ فقال عمرو بن عتبۃ یا ابا عبد الرحمن نستغفر اللہ قال علیکم بالطریق فالزموہ فواللہ لئن فعلتم لقد سبقتم سبقا بعیدا ولئن اخذتم یمینا و شمالا لتضلون ضلالا بعیدا۔ وفی روایۃ اخرجھا الطبرانی فی الکبیر فقال عمرو بن عتبۃ بن فرقد استغفر اللہ یا ابن مسعود واتوب

الیہ فامرھم ان یتفرقوا (حیاۃ الصحابۃ ج ۳ ص ۲۴۷)

ابوالبختری سے روایت ہے کہ ایک شخص نے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو خبر دی کہ کچھ لوگ مغرب کے بعد مسجد میں بیٹھتے ہیں۔ ان میں سے ایک شخص کہتا ہے کہ اتنی مرتبہ تکبیر کہو اور اتنی مرتبہ تسبیح کہو اور اتنی مرتبہ تحمید کہو۔ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے پوچھا تو کیا وہ اسی طرح کہتے ہیں؟ اس شخص نے جواب دیا کہ جی ہاں۔ آپ نے فرمایا کہ اچھا جب تم ان کو ایسا کرتے دیکھو تو میرے پاس آکر مجھ کو ان کی مجلس کی خبر دینا۔ کہتے ہیں کہ میں نے آکر آپ کو ان کی مجلس کے انعقاد کی خبر دی۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ برنس (ٹوپی والا لمبا کوٹ) پہنے ہوئے ان لوگوں کے پاس آئے اور بیٹھ گئے اور جب جو کچھ وہ کہہ رہے تھے اس کو سنا تو کھڑے ہو گئے اور وہ تیز فہم و سخت آدمی تھے اور کہا میں عبداللہ بن مسعود ہوں۔ خدائے وحدہ لا شریک لہ کی قسم تم نے یہ نہایت تاریک و سیاہ بدعت ایجاد کی ہے یا پھر تم نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب سے علم میں بڑھ گئے ہو۔ ان میں سے ایک نے معذرت کے طور پر کہا کہ اللہ کی قسم نہ تو ہم نے تاریک و سیاہ بدعت ایجاد کی اور نہ ہی ہم علم میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب پر فائق ہوتے اور عمرو بن عتبہ نے کہا کہ اے ابو عبدالرحمٰن ہم اللہ سے استغفار کرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا (تم صحابہ) کے طریقہ کو لازم پکڑو۔ اللہ کی قسم اگر تم نے اس جیسے کام کیے تو تم بہت پیچھے رہ جاؤ گے اور اگر تم نے دائیں یا بائیں کوئی راہ اختیار کی تو تم دُور کی گمراہی میں پڑ جاؤ گے۔ طبرانی کی معجم کبیر کی روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ عمرو بن عتبہ نے کہا اے ابن مسعود میں اللہ کی بخشش طلب کرتا ہوں اور اس کی طرف توبہ کرتا ہوں تو آپ نے لوگوں کو متفرق ہونے کا حکم دیا۔

تسبیح تہلیل اور تحمید اذکار مسنونہ ہیں۔ مسجد میں ذکر کرنا بھی منع نہیں اور صحابہ کے دور میں مجالس ذکر بھی ہوتی تھیں، لیکن ان جائز چیزوں کے ساتھ جب یہ ہیئت ملی کہ اجتماع میں شریک سب لوگوں نے یہ التزام کیا کہ وہ سب

ایک ہی وقت میں ایک ہی ذکر کریں گے تو اس کی وجہ سے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے اس کو بدعت کہا۔

سنن دارمی میں یہ روایت ہے۔

"کنا نجلس علی باب عبداللہ بن مسعود قبل صلوٰۃ الغداۃ فاذا خرج مشینا معہ الی المسجد فجاءنا ابوموسی الاشعری فقال اخرج الیکم ابوعبدالرحمٰن بعد؟ قلنا لا - فجلس معنا حتی خرج - فلما خرج قمنا الیہ جمیعا فقال لہ ابوموسی یا اباعبدالرحمٰن انی رایت فی المسجد آنفا امرا انکرتہ ولم أر والحمد للہ الاخیرا قال فما ھو فقال ان عشت فستراہ قال رأیت فی المسجد قوما حلقا جلوسا ینتظرون الصلاۃ فی کل حلقۃ رجل و فی ایدیھم حصا فیقول کبروا مائۃ فیکبرون مائۃ فیقول ھللوا مائۃ فیھللون مائۃ و یقول سبحوا مائۃ فیسبحون مائۃ قال فمازا قلت لھم قال ماقلت لھم شیئا انتظار رایك أو انتظار امرك قال افلا امرتھم ان یعدو سیئاتھم وضمنت لھم ان لا یضیع من حسناتھم - ثم مضی ومضینا معہ حتی أتی حلقۃ من تلك الحلق فوقف علیھم فقال ما ھذا الذی اراکم تصنعون قالوا یا اباعبدالرحمٰن حصیً نعد بہ التکبیر والتھلیل والتسبیح قال فعدوا سیئاتکم فانا ضامن ان لا یضیع من حسناتکم شئ و یحکم یا امۃ محمد ما اسرع ھلکتکم ھولاء صحابۃ نبیکم صلّی اللہ علیہ وسلّم متوافرون و ھذہ ثیابہ لم تبل و آنیتہ لم تکسر والذی نفسی بیدہ انکم لعلی ملۃ ھی اھدی من ملۃ محمد او مفتحوا باب ضلالۃ - قالوا واللہ یا اباعبدالرحمٰن ما اردنا الا الخیر قال وکم من مرید للخیر لن یصیبہ ان رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم حدثنا ان قوما یقرؤن القرآن لا

یجاوز تراقیھم و ایم اللہ ما ادری لعل اکثرھم منکم ثم تولی عنھم. فقال عمرو رأینا عامۃ اولئک یطاعنونا یوم النھروان مع الخوارج۔

(سنن دارمی ج ۱ ص ۶۰)

فجر کی نماز سے پیشتر ہم عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے دروازے پر بیٹھ جاتے تھے اور جب وہ باہر نکلتے تھے تو اُن کے ساتھ مسجد پیدل جاتے تھے (ایک دن) ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ ہمارے پاس آئے اور پُوچھا کہ ابو عبدالرحمن (یعنی عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ) تمہارے پاس باہر آئے ہیں؟ ہم نے کہا کہ نہیں تو وہ بھی ہمارے ساتھ بیٹھ گئے۔ جب عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ باہر نکلے تو ہم سب ان کی طرف کھڑے ہوئے اور ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ نے کہا اے ابو عبدالرحمٰن میں نے ابھی مسجد میں ایک ایسی بات دیکھی جو میں نے بُری سمجھی اور الحمدللہ میری رائے بھلائی ہی کی ہے۔ اُنھوں نے پُوچھا کہ وہ کیا بات ہے تو ابو موسی رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ آپ کی زندگی رہی تو آپ اس کو عنقریب دیکھ لیں گے۔ میں نے مسجد میں لوگوں کو نماز کے انتظار میں حلقے بنائے بیٹھے دیکھا۔ لوگوں کے پاس کنکریاں ہیں اور ہر حلقہ میں ایک شخص کہتا ہے کہ سو مرتبہ تکبیر کہو تو لوگ سو مرتبہ تکبیر کہتے ہیں اور وہ کہتا ہے کہ سو مرتبہ لا الہ الا اللہ کہو تو لوگ سو مرتبہ یہ کلمہ کہتے ہیں اور وہ شخص کہتا ہے کہ سو مرتبہ سبحان اللہ کہو تو لوگ سو مرتبہ سبحان کہتے ہیں۔ اس پر عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے پوچھا پھر آپ نے ان لوگوں کو کیا کہا؟ ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ آپ کی رائے یا آپ کے حکم کے انتظار میں میں نے ان سے کچھ نہیں کہا۔ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا کہ آپ نے ان سے یہ کیوں نہ کہا کہ وہ اپنے گناہ شمار کریں اور آپ نے ان کو یہ ضمانت کیوں نہ دی کہ (اس صورت میں) ان کی کوئی نیکی ضائع نہ ہو گی۔ پھر عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ چلے اور ہم آپ کے ساتھ چلے یہاں تک کہ وہ ان حلقوں میں سے ایک حلقہ کے پاس آئے اور وہاں کھڑے ہوئے۔ پھر ان سے پُوچھا یہ میں تمہیں کیا کرتے دیکھ رہا ہوں اُنھوں نے جواب دیا کہ کنکریاں ہیں جن پر تکبیر تہلیل اور تسبیح کو شمار کر رہے

ہیں۔ آپ نے فرمایا تم اپنے گناہوں کو شمار کرو اور میں ضمانت دیتا ہوں کہ تمہاری کوئی نیکی ضائع نہ ہوگی۔ اے اُمّتِ محمّد تم پر افسوس ہے کہ کتنی جلدی تمہاری بربادی ہے۔ تمہارے نبی صلّی اللہ علیہ وسلّم کے یہ صحابہ کثیر تعداد میں موجود ہیں اور آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم کے کپڑے ابھی بوسیدہ نہیں ہوئے اور آپ کے برتن ابھی نہیں ٹوٹے۔ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے یا تو تم ایسی ملّت پر ہو جو محمّد صلّی اللہ علیہ وسلّم کی ملّت سے زیادہ ہدایت یافتہ ہے اور یا تم لوگ گمراہی کا دروازہ کھولنے والے ہو۔ اُنھوں نے کہا اے ابو عبدالرحمٰن ہم نے تو فقط خیر کا ارادہ کیا ہے۔ آپ نے فرمایا کتنے ہی خیر کا ارادہ کرنے والے ہیں جن کو خیر ہرگز حاصل نہیں ہوتی۔ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے ہم سے بیان کیا تھا کہ کچھ لوگ قرآن پڑھیں گے، لیکن وہ ان کے حلق سے نیچے نہیں اُترے گا اور اللہ کی قسم میں نہیں جانتا شاید کہ ان کی اکثریت تم ہی لوگوں میں سے ہو۔ پھر آپ ان لوگوں کی طرف سے پھر گئے۔ عمرو بن سلمہ کہتے ہیں ہم نے دیکھا کہ ان حلقوں کی اکثریت خوارج کے ساتھ مل کر ہمارے خلاف جنگ نہروان میں لڑ رہی تھی۔

ذرا غور سے دیکھیں تو یہ واقعہ پہلے واقعہ سے بالکل مختلف ہے۔ پہلے واقعہ میں ذکر جہری کیا جا رہا تھا اور اس واقعہ میں سرًّا ذکر کیا جا رہا تھا۔

اعلان

اُن حضرات کو ایک سال کے لیے مفت رسالہ جاری کیا جائے گا۔ جو رسالہ کے سات خریدار بنائیں گے۔ (ادارہ)

حاصلِ مطالعہ

مولانا نعیم الدّین صاحب ، فاضل و مدرس جامعہ مدنیہ

تین قسم کے قاضی

سلطان مسعود کو سلجوقی خاندان میں خاص امتیاز حاصل ہے، علّامہ ابن اثیرؒ نے تو مسعود کو سلجوقی خاندان کا آخری چراغ قرار دیا ہے، لکھا ہے کہ سارا سلجوقی اقبال مسعود کی وفات پر ختم ہوگیا پھر اُس کی خصوصیتوں کا ذکر کرتے ہوئے ابن اثیرؒ ہی نے نقل کیا ہے کہ بڑا فیاض سیر چشم بادشاہ تھا اور رعایا کے مال کے متعلّق بہت محتاط تھا مسعود کے مزاج میں ظرافت بھی تھی، مولانا مناظر احسن گیلانی رحمہ اللہ نے سلطان مسعود کے مندرجہ بالا اوصاف ذکر کرنے کے بعد سلطان کی ظرافت کا ایک واقعہ بھی درج فرمایا ہے۔ مولانا کے الفاظ میں قارئین ملاحظہ فرمائیں۔

"مشہور قاضی کمال الدّین شہر زوری کے متعلّق لکھا ہے کہ مسعود کے کیمپ میں کسی ضرورت سے حاضر ہوئے مغرب کا وقت آگیا قریب ہی ایک خیمہ میں دیکھا کہ کوئی نماز پڑھ رہا ہے قاضی صاحب اسی خیمہ میں داخل ہوگئے اور نماز میں اس کے ساتھ شریک ہوگئے۔ نماز کے بعد پُوچھا کہ آپ کون ہیں جواب میں کہا گیا کہ فلاں شہر کا قاضی ہوں۔ شہر زوری نے کہا کہ تین قسم کے قاضی ہوتے ہیں جن میں دو جہنّم میں اور ایک جنّت میں جائیں گے جہنّم میں جانے والے ہم تم دونوں قاضی ہیں۔ جو اِن سلاطین کے آستانوں پر ٹھوکریں کھاتے پھرتے ہیں اور جنّتی قاضی وہ ہیں جس کی صورت نہ ان سلاطین نے دیکھی اور

نہ اُس نے اِن سلاطین کی صورت دیکھی۔ در اصل یہ خود سلطان مسعود تھا۔ صبح کو قاضی شہر زوری جب سلطان کے سامنے پیش ہوئے تو ہنستے ہوئے مسعود نے کہا کہ فرمائیے قاضی صاحب تین قاضیوں کا وہ کیا قصّہ ہے شہرزوری سمجھ گئے کہ خود سلطان سے مغرب کے وقت وہ گفتگو میں نے کی تھی، بولے جی ہاں واقعہ تو وہی ہے جو مَیں نے عرض کیا تھا۔ سلطان نے کہا کہ سچ فرماتے ہیں آپ بلاشبہ وہ نیک بخت سعید آدمی ہے جس نے نہ ہماری صُورت دیکھی اور نہ ہم نے اس کی صورت دیکھی۔''[1]

جائے عبرت

بہت سے لوگ زندگی میں عیش و عشرت کا شکار ہو کر اپنی حقیقت کو بھول جاتے اور موت کو فراموش کر بیٹھتے ہیں ایسے لوگوں کی مرنے کے بعد جو حالت ہوتی ہے وہ قابلِ رحم ہونے کے ساتھ ساتھ قابلِ عبرت بھی ہوتی ہے۔ مولانا گیلانی رحمہ اللہ نے تاریخ کے حوالے سے عبّاسی خلفاء میں سے ایک خلیفہ واثق باللہ کی موت کا واقعہ تحریر فرمایا ہے جو عبرت انگیز بھی ہے اور سبق آموز بھی۔

مولانا گیلانیؒ لکھتے ہیں

''الذہبی نے مختصر دُوَل اسلام میں نقل کیا ہے کہ الواثق باللہ کا خادمِ خاص جو الواثقی کے نام سے مشہور تھا اسی کا بیان ہے کہ واثق جب بیمار ہوا تو اس کی تیمارداری مجھ ہی سے متعلّق تھی۔ حالت واثق کی جب خراب ہوئی تو مَیں نے دیکھا کہ اس پر غشی طاری ہوگئی ہے۔ مَیں نے محسوس کیا کہ وہ ختم ہوگیا۔ پاس میں جو لوگ تھے۔ ان کو بُلایا اور ایک نے دوسرے سے اشارہ کیا کہ واثق کے قریب جاکر واقعی دیکھے کہ روح پرواز کر چکی یا کچھ رمق باقی ہے لیکن کسی کی ہمّت نہ پڑتی تھی۔ آخر میں ہی دل کو مضبوط کر کے آگے بڑھا۔ میں نے آہستہ سے اُس کی ناک پر سانس کا پتہ چلانے کے لیے اُنگلی رکھی کہ اچانک

---

[1] مقالات احسانی صنہ ۱۳۰

واثق نے آنکھیں کھول دیں، الوثقی کہتا ہے کہ نہ پوچھو کہ اس واقعہ کا مجھ پر کیا اثر مرتب ہوا اس کے الفاظ ہیں فَکِدْتُّ اَنْ اَمُوْتَ (اتنا گھبرایا کہ قریب تھا کہ میں خود مر جاتا) گھبراہٹ اِس کی تھی کہ موت کے انتساب کو واثق کی زندگی ہی میں گویا ممکن قرار دیا۔ باز پُرس کے خوف اس پر یہ ہیبت طاری کی، لیکن خیر گزری کہ واثق کی آنکھیں آخری دفعہ کھلی تھیں اور پھر ہمیشہ کے لیے بند ہوگئیں۔ الواثقی کہتا ہے کہ ڈر کے مارے میں گر پڑا تھا۔ تلوار تک ٹوٹ گئی اور میرے بدن میں کچھ گھس بھی گئی۔ بہر حال الواثق واقعی اسی کے بعد مر گیا۔ تب واثقی نے یہ یقین کر لینے کے بعد کہ درحقیقت اب خلیفہ کی رُوح پرواز کر چکی ہے لاش پر چادر ڈال دی۔ اس عرصہ میں واثقی کو محسوس ہوا کہ آنکھوں کے سامنے کوئی چیز حرکت کر رہی ہے۔ وہ پھر گھبرایا چادر اُٹھائی تو کیا دیکھتا ہے کہ ایک چوہا واثق کی آنکھیں نکالے بھاگا جاتا ہے۔ بے ساختہ زبان پر الواثقی کے جاری ہوگیا۔ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہ۔ یہی آنکھ تھی جس کی معمولی حرکت سے کچھ دیر پہلے میں مرنے کے قریب ہوگیا تھا گر پڑا تلوار ٹوٹی اور چند لمحوں کے بعد اسی آنکھ کو ایک چوہا نکال کر لے بھاگا۔ ۱۲ (مختصر دول الاسلام ذہبی مطبوعہ دائرۃ المعارف ج ۱ ص ۱۰۹)"[1]

ظُلم کا انجام

ظلم اللہ تعالیٰ کو انتہائی ناپسند اور ظالم سے سخت نفرت ہے، قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے ظلم کی قباحت و شناعت کو ذکر فرما کر ظالم سے عدمِ محبّت کا اظہار اور اس پر لعنت فرمائی ہے۔

دُنیا میں ظالم طاقت کے بل بوتے پر جتنا بھی اکڑلے انجام اس کا نہایت بُرا ہے۔

تاریخ کے اندر بہت سے ظالموں کے انجامِ بد کا تذکرہ موجود ہے۔ اِس وقت ہم اس اُمّت

---

[1] مقالات احسانی ص ۱۳۱

کے ایک بڑے ظالم کا تذکرہ کر رہے ہیں جس کا نام "حجاج بن یوسف" ہے۔ ۴۵ھ یا اس کے کچھ بعد پیدا ہوا اُموی خلیفہ عبدالملک بن مروان کی جانب سے عراق اور خراسان کا گورنر بنا۔

حجاج کی ستم ظریفی اور خونریزی کے واقعات عجائباتِ عالَم میں سے ہیں۔ تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ اُس نے ایک لاکھ بیس ہزار مسلمانوں کو ظلماً قتل کیا ہے[1] لڑائیوں کے مقتولین اِن کے علاوہ ہیں۔ حجاج خود کہا کرتا تھا کہ "میرے نزدیک لذیذ ترین شے خونریزی ہے"۔

حجاج نے صحابۂ کرام وغیرہ پر جو ظلم کیے اُن کا ادنیٰ نمونہ یہ ہے کہ اُس نے حضرت عبداللہ بن عمر اور حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہم کو شہید کرایا۔ حرمِ مکّہ میں کُشت و خون کیا، خانہ کعبہ پر منجنیق سے گولہ باری کی جس کی وجہ سے بیت اللہ شریف کے پردے جل گئے۔ سب سے اخیر میں جن بزرگ کو اُس نے شہید کیا وہ جلیل القدر تابعی حضرت سعید بن جبیر رحمہ اللہ تھے۔

بعض حضرات نے حجاج کے ظلم کی وجہ یہ بیان کی ہے کہ جب یہ پیدا ہوا تو دُودھ پینا تو درکنار اِس نے ماں کے پستان تک کو منہ نہیں لگایا، گھر والے پریشان ہوئے تو اُن کے پاس ابلیس مردود نے حارث بن کلدہ طبیبِ عرب کی شکل میں آکر کہا، "اِس کو کالا بکرا ذبح کر کے اس کا خون چٹا دو اور چہرہ پر بھی مَل دو"۔ گھر والوں نے ایسا ہی کیا۔ تب حجاج نے ماں کے پستان کو منہ میں لیا۔[2]

حجاج کا انجام کیا ہوا، یہ ایک نہایت عبرت انگیز داستان ہے جو سُننے سے تعلّق رکھتی ہے۔ قارئین مولانا گیلانی رحمہ اللہ کے الفاظ میں ملاحظہ فرمائیں۔

> "کتابوں میں لکھا ہے کہ حضرت سعید بن جبیر تابعی کو انتہائی بے دردی کے ساتھ حجاج نے جب شہید کیا اور اسی کے بعد ایک خاص قسم کے جنون میں مُبتلا ہو گیا۔ سوتا تھا تو خواب میں بھی سعید ہی نظر آتے اور کہتے کہ کس جرم میں تو نے مجھے قتل کیا اور آنکھ کُھلتی تو اس وقت بھی حجاج کا بیان تھا کہ سعید کو سامنے کھڑا پاتا ہوں۔ اسی زمانے میں حجاج کے پیٹ میں سرطانی پھوڑا نکلا جس کی سَمّیّت روز بروز بڑھتی جاتی تھی۔ کہتے ہیں کہ اسی اندرونی گھاؤ کی

۱؎ نفحۃ العرب ص۱۰۷ ۲؎ نفحۃ العرب ص۱۰۶

وجہ سے ایک اور بیماری اس پر مسلّط ہُوئی جسے زمہریرہ کہتے تھے یعنی ایسی سخت سردی اس کو معلوم ہوتی تھی۔ انگیٹھی کو بدن سے قریب کرتے کرتے یہاں تک متصل کر دی جاتی کہ کھال جلنے لگتی، لیکن اس کی تشفی نہ ہوتی تھی۔ اطباء نے جب تجویز کیا کہ پیٹ میں پھوڑا ہے تو جانچنے کے لیے روٹی کے ٹکڑے کو تاگے میں باندھ کر حجاج کو نگلوایا۔ جب اندر چلا گیا تب جھٹکا دے کر ٹکڑا باہر کھینچ لیا گیا جو صرف کیڑوں سے بھرا ہُوا تھا۔ آخر مرض ناقابلِ علاج قرار پایا۔ خواجہ حسن بصریؒ کو اس نے بُلایا رونے لگا اور گڑگڑا کر التجا کرنے لگا کہ میرے لیے دُعا کیجیے۔ خواجہ نے کہا کہ حجاج! دیکھ اللہ والوں سے ہمیشہ میں نے تجھ کو نصیحت کی کہ دُور رہنا۔ سعید کے ساتھ تو نے جو کچھ کیا اسی کا خمیازہ ہے۔ حجاج نے کہا کہ اب صحت کی دُعا نہ کیجیے بلکہ موت کی دُعا کیجیے تاکہ میری مشکل آسان ہو۔ حجاج مر گیا، خواب میں مرنے کے بعد کسی نے دیکھا کہنے لگا کہ سعید کے بدلے میں مجھے مسلسل قتل کیا جا رہا ہے قتل ہوتا ہوں، پھر جلایا جاتا ہوں پھر قتل ہوتا ہوں۔ (دیکھو ابن عساکر اور الیافعی وغیرہ)"[۱]

بقیہ: محمدؒ بن جریر الطبری

روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ عُلماء میں شاید ہی کوئی اُن کا مخالف ہو۔ عام طور پر عوام ہی اُن کے دُشمن بن گئے تھے۔

ابو محمدؒ الفرغانی ہی کا قول ہے:

" فامّا اهل الدين والعلمِ فغير منكرين علمه و زهده وورعه و رفضه للدنيا وقناعته . . .

کہ جہاں تک اہلِ دین وعلم کا تعلّق ہے تو وہ اُن کے علم، زہد، تقوٰی، ترکِ دُنیا اور قناعت کے معترف تھے۔" معجم الادباء جلد ۱۸

[۱] مقالاتِ احسانی ص ۲۳۲

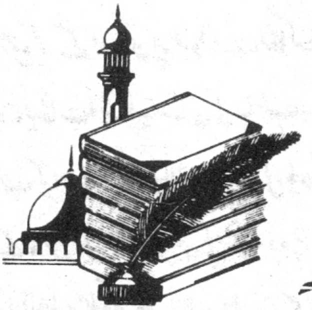

تبصرے کے لئے ہر کتاب کے دو نسخے آنے ضروری ہیں۔

تقریظ و تنقید

مختلف تبصرہ نگاروں کے قلم سے

نام کتاب : احاطۂ دارالعلوم میں بیتے ہوئے دن

افادات : مولانا سیّد مناظر احسن گیلانی رحمہ اللہ

مرتّب : مولانا اعجاز احمد اعظمی

صفحات : ۲۸۰

سائز : $\frac{۲۳ \times ۳۶}{۱۶}$

ناشر : ادارہ تالیفات اشرفیہ بیرون بوہڑ گیٹ ملتان

قیمت : ۹۰/-

حضرت مولانا سیّد مناظر احسن گیلانی رحمہ اللہ (م ۱۳۷۵ھ/۱۹۵۶ء) دارالعلوم دیوبند کی سربرآوردہ شخصیات میں سے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو درس و تدریس وعظ و تقریر کے ساتھ تصنیف و تالیف کا بھی خاص ملکہ عطا فرمایا تھا۔ ایک زمانہ تھا کہ آپ کے وقیع مضامین دارالعلوم دیوبند سے نکلنے والے القاسم اور الرشید میں چھپا کرتے تھے جن کا سلسلہ آپ کے حیدر آباد دکن چلے جانے سے ختم ہوا، پھر جب دارالعلوم دیوبند سے ماہنامہ "دارالعلوم" نکلنا شروع ہوا تو اُس کے مدیر مولانا ازہر شاہ قیصر مرحوم نے مولانا گیلانی کی خدمت میں باصرار عرض کیا کہ جناب رسالہ کے لیے ضرور کچھ نہ کچھ تحریر فرمایا کریں، آپ کی درخواست پر مولانا گیلانی رحمہ اللہ نے ماہنامہ "دارالعلوم" میں ایک مضمون بعنوان "احاطۂ دارالعلوم میں بیتے ہوئے دن" قسط وار لکھنا شروع کیا جس کی کم و بیش پچیس چھبیس قسطیں شائع ہوئیں زیرِ نظر کتاب اُنہی اقساط کی کتابی شکل ہے جنہیں مولانا اعجاز احمد صاحب نے "دارالعلوم" کی فائلوں سے بڑی محنت

کے ساتھ جمع کر کے اور اُن پر عنوانات لگا کر جدید انداز سے شائع کیا تھا۔ اسی کتاب کا عکس لے کر پاکستان میں ادارہ تالیفات اشرفیہ ملتان کی جانب سے یہ کتاب شائع کی گئی ہے۔

کتاب کیا ہے مولانا گیلانی رحمہ اللہ کی یادوں کا حسین گلدستہ ہے، مولانا نے اپنے قلم سے دارالعلوم اور اس کے ماحول کی جو منظر کشی کی ہے وہ پڑھنے سے تعلق رکھتی ہے، ایک تو حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ کے دَور کے دارالعلوم کا ذکر پھر اکابرِ دیوبند کا تذکرہ اور قلم مولانا گیلانی رحمہ اللہ کا ان تینوں کے امتزاج کا مزہ کتاب کو پڑھ کر ہی اُٹھایا جاسکتا ہے۔

کاش کہ یہ کتاب فوٹو کے بجائے اس کے شایانِ شان جدید کتابت و طباعت کے ساتھ طبع کی جاتی تو اچھا ہوتا، بہرحال جیسے بھی سہی اس کا مطالعہ کر کے اس سے لطف اندوز ضرور ہونا چاہیے۔

نام کتاب : خطبات عارفی

افادات : حضرت مولانا عبدالحی عارفی رحمہ اللہ

مرتّب : مولانا محمد اسحاق صاحب

صفحات : ٣٨٤

ناشر : ادارہ تالیفات اشرفیہ ملتان

قیمت :

زیرِ نظر کتاب میں حکیم الاُمت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ کے خلیفہ ارشد حضرت مولانا ڈاکٹر عبدالحی عارفی رحمہ اللہ کے متعدد اہم خطبات جمع کیے گئے ہیں جو آپ نے مختلف موضوعات پر ارشاد فرمائے تھے۔ اِن خطبات میں عوام النّاس کو نفس کی اصلاح اور رجوع الی اللہ کی دعوت دی گئی ہے اندازِ بیان انتہائی سادہ اور دل میں اُترنے والا ہے۔ کتابت و طباعت بھی عمدہ ہے۔

نام کتاب : راہِ نجات

تصنیف : حضرت مولانا قاری شریف احمد صاحب دامت برکاتہم

صفحات : ٤١٦

سائز : ۳۶×۲۳/۱۶

ناشر : مکتبہ رشیدیہ اُردو بازار کراچی

قیمت : -/۱۲۰

مخدوم ومکرّم حضرت قاری شریف احمد صاحب دامت برکاتہم کی شخصیّت محتاجِ تعارف نہیں اللہ تعالیٰ نے آپ کو تصنیف وتالیف کا ایک خاص ذوق عطا فرمایا ہے۔ تقریباً تین درجن چھوٹی و بڑی کتابیں آپ کے قلمِ حقیقت رقم سے نکل کر دادِ تحسین حاصل کرچکی ہیں، آپ کا اسلوبِ نگارش اس قدر سہل اور دلچسپ ہوتا ہے کہ ہر شخص آسانی سے کتاب کو سمجھ لیتا ہے اور اس میں عمل کا داعیہ پیدا ہوجاتا ہے، حال ہی میں آپ کی ایک نئی تالیف طبع ہوکر آئی ہے جس کا نام "راہِ نجات" ہے یہی کتاب اس وقت ہمارے پیشِ نظر ہے۔ اس کتاب کو حضرت قاری صاحب نے تین حصّوں میں تقسیم فرمایا ہے۔ پہلے حصّے میں مرنے سے پہلے اور مرنے کے بعد ـــــــــــ اسلام نے جن باتوں کی تعلیم دی ہے اُن کو تفصیل سے بیان کیا گیا ہے یہ حصّہ تقریباً سوا سو صفحات پر مشتمل ہے، دوسرے حصّے میں غسلِ میّت تکفین وتدفین نمازِ جنازہ، میت کے ورثہ سے تعزیّت کا اسلامی طریقہ، زیارتِ قبور اور ایصالِ ثواب کے مسائل بیان کیے گئے ہیں۔ یہ حصّہ ۷۴ صفحات پر مشتمل ہے، تیسرا حصّہ ضخیم ہے جو تقریباً ڈھائی سو صفحات پر محیط ہے۔ اس حصّے میں عذابِ قبر کے برحق ہونے پر قرآن وحدیث صحابہ کرام اور بزرگانِ دین کے اقوال سے استدلال کیا گیا ہے۔ نیز یہ بتلایا گیا ہے کہ کن باتوں سے عذابِ قبر ہوتا ہے اور وہ کون سے اعمال ہیں جن کی وجہ سے انسان عذابِ قبر سے محفوظ رہتا ہے اور اس کی قبر اس کے لیے باغ وبہار بن جاتی ہے۔

تتمہ کے طور پر زمانہ حال کے بعض حضرات کے عذاب وثوابِ قبر سے متعلق مشاہدات ذکر کیے گئے ہیں جو سبق آموز ہونے کے ساتھ ساتھ عبرت انگیز بھی ہیں۔

کتاب اس قدر آسان اور دلچسپ انداز سے لکھی گئی ہے کہ شروع کرنے کے بعد ختم کیے بغیر چھوڑنے کو جی نہیں چاہتا۔

کتابت وطباعت عمدہ ہے لیمینیشن جلد ہے۔

نام کتاب : سوانح حیات حضرت مولانا غلام غوث ہزارویؒ (جلد اوّل)

مصنّف : مولانا سیّد منظور احمد شاہ آسی

صفحات : ۵۱۲

سائز : ۳۶×۲۳/۱۶

ناشر : مکتبہ انوارِ مدینہ جامع مسجد صدّیقِ اکبرؓ مانسہرہ

قیمت : -/۲۰۰

بطلِ حریّت حضرت مولانا غلام غوث ہزاروی رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۴۰۱ھ/۱۹۸۱ء) کی شخصیّت اُن نادرہ روزگار شخصیّات میں سے ہے جن کی زندگی جُہدِ مسلسل اور سعی پیہم سے عبارت اور حق گوئی وبیباکی جن کا طغرائے امتیاز ہے۔ دارالعلوم دیوبند سے فراغت کے بعد آپ استخلاصِ وطن کے لیے جدوجہد کرتے رہے تقسیم کے بعد نفاذ اسلام کے لیے کوششیں شروع کر دیں۔ اس سلسلہ میں آپ نے ملک بھر کے عُلمار کو ایک پلیٹ فارم پر اکٹھا کیا جس کے نتیجہ میں جمعیت عُلمار اسلام کا قیام عمل میں آیا۔ حضرت مولانا احمد علی لاہوری رحمہ اللہ جمعیّت کے امیر اور آپ کی تجویز پر مولانا ہزارویؒ جمعیت کے ناظم عمومی مقرّر ہوئے۔ عرصہ دراز تک آپ جمعیت کے پلیٹ فارم سے نفاذِ اسلام کے لیے جدوجہد کرتے رہے۔

ایک وقت آیا کہ جمعیت سے آپ نے کنارہ کشی کر کے گوشہ نشینی اختیار کر لی۔ ۱۹۸۱ء میں گوشہ نشینی کی حالت میں آپ کا انتقال ہوگیا، ضرورت تھی کہ آپ کے تفصیلی حالات پر مشتمل کوئی کتاب بازار میں آتی جس سے قوم آپ کے کارناموں سے رہنمائی حاصل کرتی۔ اللہ تعالیٰ جزا دے۔ مولانا سیّد منظور شاہ صاحب آسی کو کہ اُنھوں نے اِس طرف توجہ فرمائی اور مولانا کے حالات پر ایک ضخیم کتاب لکھ کر شائع کر دی ہمارے پیشِ نظر مولانا ہزارویؒ کے حالات پر مشتمل یہی کتاب ہے۔ اس کتاب کا انداز ویسا تو نہیں جیسا کہ آج کل سوانح اور تذکرہ لکھنے کا عام رواج ہے، تاہم کتاب بہت سی اہم معلومات پر مشتمل ہونے کی بنار پر ضرور قابلِ مطالعہ ہے۔

آئندہ ایڈیشن اگر طباعت کے خوب صُورت معیار کے ساتھ لایا جائے تو بہت اچھا ہوگا، کتاب کی قیمت پر بھی نظرثانی کی جائے۔ اتنی زیادہ قیمت کی وجہ سے کہیں ایسا نہ ہو کہ شوقین حضرات اس کے مطالعہ سے محروم رہیں۔

نام کتاب: الخلیفۃ المہدی فی الاحادیث الصحیحۃ

تصنیف: شیخ الاسلام حضرت مولانا سیّد حسین احمد مدنی رحؒ

صفحات: ۵۶

ناشر: عالمی مجلس تحفّظ ختم نبوّت ملتان

قیمت: -/۲۰

زیر تبصرہ کتاب شیخ الاسلام حضرت مدنی رحؒ کی تالیف ہے جس میں آپ نے حضرت امام مہدی کے بارے وارد تقریباً چالیس صحیح احادیث کو جمع فرمایا ہے، آپ کی یہ تالیف جدید کمپوزنگ کے ساتھ ماہنامہ "انوارِ مدینہ" میں پانچ قسطوں میں شائع ہوئی تھی اُنہی اقساط کو جمع کر کے عالمی مجلس تحفّظ ختم نبوّت کی طرف سے کتابی شکل میں چھاپا گیا ہے۔ کتاب چونکہ رسالہ سے فوٹو لے کر شائع کی گئی ہے اور فوٹو بھی معیاری نہیں اس لیے کتاب کا حسن جاتا رہا۔ اگر کارکنانِ انوارِ مدینہ کے مشورہ سے جدید انداز سے اسے شائع کیا جاتا تو ایک تو اس کا حسن دو بالا ہوتا دوسرے رسالے میں رہ جانے والی کمی بھی پوری ہو جاتی، تاہم جیسے بھی سہی کتاب چونکہ اپنے موضوع پر نہایت قیمتی ہے اس لیے قارئین ——— اس سے ضرور استفادہ فرمائیں۔

(ن - د)

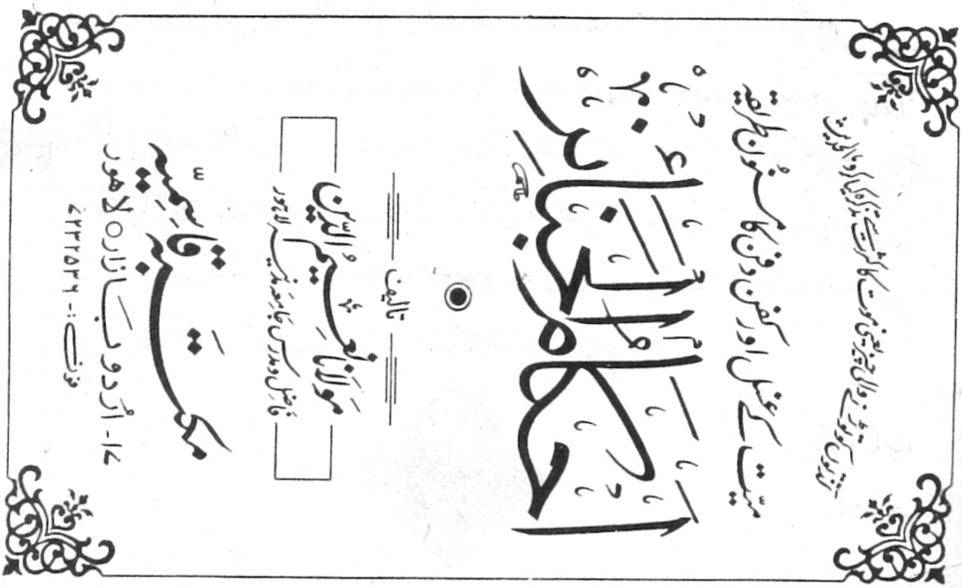

اخبار الجامعہ

محمد عابد، متعلم جامعہ مدنیہ

۴ شوال المکرم ۱۴۱۸ھ یکم فروری ۱۹۹۸ء بروز اتوار جامعہ کے نائب مہتمم مولانا محمود میاں صاحب، حضرت مولانا قاری شریف احمد صاحب مدظلہم خلیفہ مجاز حضرت مولانا سیّد حامد میاں صاحب قدس سرہ العزیز کی دعوت پر جامعہ تعلیم القرآن شریفیہ کے سنگِ بُنیاد کی تقریب میں شرکت کے لیے کراچی تشریف لے گئے۔ ۸ شوال کو حضرت مولانا سیّد حسین احمد مدنی رحمہ اللہ کے منجھلے صاحبزادے حضرت مولانا سیّد محمد ارشد مدنی مدظلہم نے جامعہ تعلیم القرآن شریفیہ کا سنگِ بُنیاد رکھا۔ اس میں آپ نے شرکت کی، نیز آپ نے جامعہ کے مخلصین و محبّین سے ملاقات کی اور ۱۴ شوال کو واپس تشریف لائے۔

۱۰ شوال المکرم ۱۴۱۸ھ سے جامعہ کے نئے تعلیمی سال ۱۴۱۸-۱۹ھ کے داخلہ شروع ہوئے اور ۲۰ شوال المکرم ۱۴۱۸ھ بروز بدھ سے تعلیم کا آغاز ہوا۔

۱۹ شوال المکرم ۱۴۱۸ھ ۱۷ فروری ۱۹۹۸ء بروز منگل حضرت نائب مہتمم صاحب، حضرت مولانا نذیر احمد صاحب مہتمم جامعہ امدادیہ فیصل آباد کے صاحبزادے (مولانا مفتی مجاہد صاحب) کی تعزیّت کے لیے فیصل آباد تشریف لے گئے۔ مفتی مجاہد صاحب کو جمعہ کی نماز سے فارغ ہوکر واپس آتے ہوئے دہشت گردوں نے شہید کر دیا تھا۔

۲۸ شوال المکرم ۱۴۱۸ھ بروز جمعرات صُبح ساڑھے گیارہ بجے جامعہ کی مسجد میں مجلسِ تحفّظ ختمِ نبوّت کے مبلّغ حضرت مولانا اللہ وسایا صاحب کا بیان ہوا جس میں آپ نے فتنۂ قادیانیت پر روشنی ڈالی اور طلباء کو بتلایا کہ کس طرح سے یہ فتنہ پھیل رہا ہے اور ہمیں اس فتنہ کو روکنے کے لیے کس طرح سے کوششیں کرنی چاہییں۔